بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآنی آیات

سے ماخوذ اثر انگیز خطبات کا مجموعہ بنام

علمی تقریریں

از

محمد حبیب اللہ بیگ اے پی

استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ناشر

مکتبہ انوار القرآن، مچھلی پٹنم، اے پی

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب	:	علمی تقریریں
نام مؤلف	:	محمد حبیب اللہ بیگ، اے پی
سن اشاعت	:	۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۷ء
تعداد صفحات	:	۸۸
قیمت	:	۶۰/ روپے
ناشر	:	مکتبہ انوار القرآن مچھلی پٹنم، اے پی

کتاب ملنے کے پتے

۱ — روم نمبر ۲۶ دار التجوید، جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔
۲ — مصباحی اکیڈمی، نزد اشرفیہ انٹر کالج، مبارک پور۔
۳ — دار العلوم امام احمد رضا، رتنا گیری، مہاراشٹر۔
۴ — امجدی بک سینٹر، بوٹائی پیٹ، مچھلی پٹنم، اے پی۔

ارشاد باری

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ۔

حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاؤ، اور ان سے بہتر طریقے پر جدال کرو، بے شک تمہارا رب ان کو بھی جانتا ہے جو راہ حق سے بھٹک گئے، اور ان کو بھی جانتا ہے جو راہ راست پر گامزن ہیں۔

شرف انتساب

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. وبعد!

اس رسالے کو میں اپنے بڑے بھانجے عزیزم **محمد عبدالقادر عرف قادری** کے نام منسوب کرتا ہوں جنھوں نے ۱۹/ محرم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲/ نومبر ۲۰۱۵ء کو ناظرۂ قرآن کا آغاز کیا، اور بفضلہ تعالیٰ ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ مطابق ۹/ جنوری ۲۰۱۷ء کو مکمل کیا۔

اور چھوٹے بھانجے عزیزم **محمد عبدالقدیر عرف مدنی** کے نام منسوب کرتا ہوں جنھوں نے ۲۲/ محرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ناظرۂ قرآن کا آغاز کیا، اور بفضلہ تعالیٰ بحسن وخوبی سلسلہ درس جاری ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو قرآن کریم کا بہترین حافظ، قاری، عالم، عامل، داعی اور بے لوث خادم بنائے، ان کو ان کے والدین کے لیے ذریعہ نجات اور سامان آخرت بنائے، اور سب کو قرآن پاک کی لازوال برکتوں اور سعادتوں سے مالامال فرمائے۔ آمین، یارب العالمین۔

محمد حبیب اللہ بیگ اے پی
استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور
یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱/ مارچ ۲۰۱۷ء

:عرض حال:

پیش نظر کتاب "علمی تقریریں" مختلف مواقع پہ کی گئیں تقریروں کا مجموعہ ہے، اس کتاب میں چھ تقریریں ہیں اور ہر تقریر قرآنی آیات کی روشنی میں ترتیب دی گئی ہے، گوکہ تقریروں کی تعداد بہت کم ہے، لیکن ان میں شامل آیات کی تعداد بہت زیادہ ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق اس مختصر سی کتاب میں تقریبًا ڈیڑھ سو سے زائد آیات درج ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان آیات بینات کے صدقے ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے، اور اس کتاب کو مقبول خاص وعام بنائے۔

سال رواں کے دو ممتاز فارغین مولانا رضاء الحق مصباحی، سون بھدر اور مولانا محمد زبیر مصباحی، مراد آباد نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی، اور حتیٰ المقدور کتاب کو بہ سے بہتر بنانے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے، اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے، آمین، بجاہ النبی الامین، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد حبیب اللہ بیگ اے پی
فاضل جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر
یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱/مارچ ۲۰۱۷ء

خصوصیاتِ نماز

عزیزان گرامی! نماز افضل العبادات اور اہم الفرائض ہے، ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد وعورت پر دن بھر میں پانچ نمازیں فرض ہیں، نماز پنج گانہ کی فرضیت کا منکر کافر، خارج از اسلام ہے، فرضیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے ایک وقت کی بھی نماز قضا کرنے والا فاسق ہے۔ اسی لیے قرآن وحدیث میں جابجا نماز کی تاکید کی گئی، نمازیوں کو جنت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی، ساتھ ہی ترک نماز سے سختی سے روکا گیا، اور بے نمازیوں کو جہنم اور دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی۔

آج کی گفتگو میں ہم آپ کے سامنے نماز کے بعض فضائل و خصوصیات بیان کرنے کی کوشش کریں گے، جن سے نماز کی اہمیت واضح ہوگی، اوران شاء اللہ العزیز ہمارے دلوں میں نماز کی محبت اور ترک نماز سے نفرت پیدا ہوگی، آئیے نماز کی کچھ خصوصیات سنتے ہیں۔

نماز کی پہلی خصوصیت

قرآن پاک میں نماز کا کثرت سے ذکر کیا گیا، ۳۰ سے زائد مقامات پر نماز اور روزے کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا، ۶۵ سے زائد مقامات پر لفظ صلاۃ وارد ہوا، ۲۵ سے زائد مقامات پہ صیغہ امر کے ساتھ نماز کا حکم دیا گیا، علاوہ ازیں صراحۃً، اشارۃً، کنایۃً تقریبًا سات سو مقامات پر نماز، ترک نماز اور متعلقات نماز کا ذکر کیا گیا، کبھی فعل ماضی سے ذکر کیا گیا، کبھی فعل مضارع سے ذکر کیا گیا، کبھی اسم فاعل سے ذکر کیا گیا، اور کبھی مصدر سے ذکر کیا گیا۔

فعل ماضی سے نماز کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ فاطر کی آیت نمبر ۲۹ میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾ ۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے، نماز قائم کرنے والے، پوشیدہ اور علانیہ صدقہ کرنے والے ایک ایسی کامیاب تجارت میں لگے ہوئے ہیں جس میں خسارہ کا

نام ونشان تک نہیں۔

فعل مضارع سے نماز کا ذکرتے ہوئے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۳/۴ میں فرمایا: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾۔ قرآن تقوی شعار بندوں کے لیے ہدایت ہے، اور تقوی شعار وہ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اوراللہ کے دیئے ہوئے مال سے اسی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اسم فاعل کے ذریعے نماز کا ذکرتے ہوئے سورۃ الحج کی آیت نمبر ۳۴/۳۵ میں فرمایا: وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ تواضع کرنے والے ان بندوں کو خوش خبری سنادو جن کے دل ذکر الٰہی کے وقت کانپنے لگتے ہیں، جو در پیش مصیبتوں پر صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور اللہ کے دی ہوئی روزی سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

مصدر سے ذکر کرتے ہوئے سورۃ الأنبیاء کی آیت نمبر ۷۳ میں فرمایا: وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۚ﴿۷۳﴾۔ ہم نے انبیا کی جانب نماز قائم کرنے اور زکات ادا کرنے کی وحی بھیجی۔

اسی طرح کبھی ایک فرد کو مخاطب کرکے نماز کا حکم دیا، کبھی پوری جماعت مسلمین کو مخاطب کرکے نماز کا حکم دیا، کبھی ایک عورت کو مخاطب کرکے نماز کا حکم دیا، اور کبھی پوری جماعت نسواں کو مخاطب کرکے نماز کا حکم دیا، تاکہ ہر فرد نماز کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے ہوئے نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادیٔ طویٰ میں بلاکر فرمایا: اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ/۱۴)۔ یعنی میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری بندگی کرو، اور میری یاد میں نماز قائم کرو۔ یہاں ایک فرد کو مخاطب کرکے نماز کا حکم دیا۔

سورۃ النور کی آیت نمبر۵۶ میں سارے مردوں کو بلکہ سارے انسانوں کو نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اس امید پر کہ تم پہ رحم کیا جائے۔

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۳ میں ایک عورت کو مخاطب کرکے فرمایا: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِىْ وَ ارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ اے مریم بنت عمران! اپنے رب کے حکم کی اطاعت کر، سجدہ کر، اور رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع کر۔

اور پوری جماعت نسواں کو مخاطب کرکے نماز کا حکم دیتے ہوئے سورۃ الاَحزاب کی آیت نمبر ۳۳ میں فرمایا: وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ اے اہل بیت اطہار! اے ازواج مطہرات! نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، اور رسول کی اطاعت کرو۔

ان سب کے ساتھ ساتھ گھر کے ذمہ داروں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کرو۔ اور اس سلسلے میں در پیش ساری مصیبتوں اور پریشانیوں کا خندہ پیشانی کے ساتھ سامنا کرو، چناں چہ سورۂ طہٰ کی آیت نمبر ۱۳۲ میں فرمایا: وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ اے نبی! اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور صبر سے کام لو۔

مختلف صیغوں کے ذریعہ نماز کا ذکر کرنا اور ہر ہر فرد کو مخاطب کرکے نماز کا حکم دینا صرف اس وجہ سے ہے کہ نماز ایک اہم ترین عبادت ہے۔

نماز کی دوسری خصوصیت

نماز کو متعدّد ناموں سے یاد کیا گیا ہے، یا یوں کہیے کہ نماز کو مختلف الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، کبھی لفظ ذکر سے تعبیر کیا، کبھی لفظ قرآن سے تعبیر کیا، کبھی لفظ قیام سے تعبیر کیا، کبھی لفظ رکوع سے تعبیر کیا، کبھی لفظ سجود سے تعبیر کیا، اور کبھی ان سب کو جامع کلمہ حسنات سے تعبیر کیا۔

۱ - لفظ ذکر سے تعبیر کرتے ہوئے سورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر ۹ میں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا

نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ۔ اے مومنو! جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو ذکر یعنی نماز کے لیے دوڑو، اور اپنا کاروبار ترک کر دو۔

۲ - لفظ قیام سے تعبیر کرتے ہوئے سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات میں فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ۔ اے محبوب رات میں مختصر قیام کرو، یعنی مختصر نماز پڑھو۔

۳ - لفظ قنوت سے تعبیر کرتے ہوئے سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۹ میں فرمایا: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَۃَ رَبِّهٖ ۔ وہ بندے جو سجدے اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔

۴ - لفظ رکوع سے تعبیر کرتے ہوئے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۴۳ میں فرمایا: وَ ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۔ با جماعت نماز ادا کرنے والوں کے ساتھ نماز ادا کرو۔

۵ - لفظ سجود سے تعبیر کرتے ہوئے سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۲۱۷- ۲۱۹ میں فرمایا: وَ تَوَکَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ﴿۲۱۷﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۙ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۔ اپنے رب پہ توکل کرو جو تمھارے قیام کو دیکھ رہا ہے، اور تمھارا نمازیوں میں منتقل ہونا دیکھ رہا ہے۔

۶ - لفظ قرآن سے تعبیر کرتے ہوئے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۸ میں فرمایا: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا ۔ نماز فجر میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔

۷۔ لفظ حسنات سے تعبیر کرتے ہوئے سورۂ ہود کی آیت نمبر ۱۱۴ میں فرمایا: وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ۔ صبح و شام اور رات کے بعض حصوں میں نماز قائم کرو، بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

قرآن کریم نے نماز کو مختلف کلمات سے تعبیر فرمایا، نماز کے لیے متعدّد نام ذکر کیے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز صرف ایک عبادت ہی نہیں، بلکہ عبادات کا حسین مجموعہ ہے، نماز خدا کے حضور قیام تعظیمی بھی ہے، نماز ذکر الٰہی بھی ہے، نماز تلاوت قرآن بھی ہے، نماز سراپا انقیاد بھی ہے، نماز خدا کے حضور فروتنی یعنی رکوع بھی ہے، نماز خدا کے حضور حد درجہ عاجزی یعنی سجدہ بھی ہے، بلکہ نماز مجموعۂ حسنات ہے، نماز نیکیوں کا عطر

مجموعہ ہے، اور وہ بھی ایسی نیکیوں کا مجموعہ جو نمازی کو تمام گناہوں سے پاک کرکے اللہ کا محبوب ومقرب بنادیتی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنی تفسیر الدر المنثور فی تفسیر الماثور میں مذکورہ آیت کے تحت فرماتے ہیں: أخرج البزار عن أنس عن النبي ﷺ قال: الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة كفارات لما بينهن ما اجتنبت الكبائر (1)۔ نماز پنج گانہ اور نماز جمعہ ایک نماز سے دوسری نماز، اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان ہونے والے تمام صغائر کے لئے کفارہ ہے جب کہ نمازی کبائر سے اجتناب کرتا رہے۔

عزیزان گرامی! قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن نے نماز کے لیے صرف ان ہی کلمات پر اکتفانہیں فرمایا، بلکہ نماز کے لیے بعض ایسے محترم کلمات استعمال کیے جن سے نماز کی غیر معمولی اہمیت اور دیگر اعمال پر نماز کی فضلیت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر لفظ ایمان ذکر کیا گیا، اور اس سے نماز مراد لی گئی، اور ایک مقام پر لفظ صلاۃ ذکر کیا گیا، اور اس لفظ صلاۃ سے پورا دین مراد لیا گیا، چناں چہ اللہ تعالی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ میں فرماتا ہے: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔ یعنی اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمھارا ایمان یعنی تمھاری نماز ضائع کردے، اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد بعض صحابہ نے اپنے ان رشتہ داروں کے بارے میں حکم دریافت کیا جو بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز ادا کرتے رہے، اور تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے انتقال کرگئے، تو آیت کریمہ نازل ہوئی: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔ خدا کی یہ شان نہیں کہ تمھارا ایمان برباد کردے۔ (2) یہاں لفظ ایمان ذکر کیا گیا، لیکن اس سے مراد نماز ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جنھوں نے تحویل قبلہ کا حکم

---

(۱) - امام جلال الدین سیوطي، الدر المنثور في التفسیر بالماثور، ج:۸، ص:۱۶۵، تفسیر متعلقہ آیت۔

(۲) - صدر الافاضل، خزائن العرفان في تفسیر القرآن، تفسیر متعلقہ آیت۔

آنے سے پہلے بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز ادا کی، ان کی نماز رائیگاں نہیں گئی، بلکہ مقبول ہوگئی۔

اس آیت کریمہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں، پہلی بات یہ کہ صحابہ کرام کی نماز بارگاہ خدا میں مقبول ہے، دوسری بات یہ کہ نماز دلیل ایمان ہے، نماز جان ایمان ہے، نماز شان ایمان ہے، نماز معیار ایمان ہے، بلکہ نماز اصل ایمان ہے۔

اللہ رب العزت سورۂ ہود کی آیت نمبر ۸۷ میں حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم کے استہزا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ۔ اے شعیب! کیا تمھارا دین تمھیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم اس دین کو ترک کردیں جس پر ہمارے باپ داد قائم تھے۔اس کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی فرماتے ہیں: وھھنا قولان:

الأول: المراد منه الدين والإيمان؛ لأن الصلاة أظهر شعائر الدين، فجعلوا ذكر الصلاة كناية عن الدين، ... والمراد: دينك يأمرك بذلك.

والثاني: أن المراد منه هذه الأعمال المخصوصة، روي أن شعيبا عليه الاسلام كان كثير الصلاة معروفاً بذلك[۳].

امام رازی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں وارد لفظ صلاۃ سے مراد دین وایمان ہے، کیوں کہ نماز شعائر اسلام اور ضروریات دین سے ہے، لہذا آیت مبارکہ کا مطلب ہوا: اے پیغمبر! کیا آپ کا دین آپ کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیں؟ یعنی آیت مبارکہ میں لفظ صلاۃ کو دین کے مترادف کے طور پر ذکر کیا گیا، مزید فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں لفظ صلاۃ سے نماز بھی مراد ہو سکتی ہے، اس صورت میں مطلب ہوگا: اے پیغمبر! کیا آپ کی نماز آپ کو اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیں؟ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے دین کو اس لیے نماز سے تعبیر کیا گیا کہ

(۳) - امام فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، تفسیر متعلقہ آیت۔

حضرت شعیب علیہ السلام کثرت سے نماز پڑھتے تھے، اور اس کثرت سے پڑھتے تھے کہ نماز ان کی پہچان بن چکی تھی، نماز ان کی شناخت بن چکی تھی، نماز ان کا دین ومذہب بن چکی تھی، اور اس قوم کے نزدیک نماز کے بغیر حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے دین کا کوئی تصور نہیں تھا، اسی لیے اس قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کے دین کو لفظ صلات سے تعبیر کیا۔

ان دونوں آیات پہ غور فرمائیں، ایک آیت میں نماز کے لیے لفظ ایمان کو ذکر کیا گیا، دوسری آیت میں دین کو ذکر کرنا تھا، لیکن دین ومذہب کو ذکر کرنے کے بجاے لفظ صلاۃ کو ذکر فرمایا، تاکہ لوگوں پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ نماز جان ایمان ہے، نماز دلیل اسلام ہے، نماز مومن کامل ہونے کی واضح دلیل ہے، اور ترک نماز کفر ونفاق کی علامت ہے، اسی لیے فرمایا گیا: الصلاة عماد الدين، فمن أقامها فقد أقام الدين، ومن تركها فقد هدم الدين۔ نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز قائم کی اس نے دین کو قائم کیا، جس نے نماز کو ضائع کیا اس نے اپنے دین کی بنیاد ڈھادی۔

نماز کی تیسری خصوصیت

نماز سابقہ انبیائے کرام اور صالحین کی سنت ہے، تمامی انبیائے کرام نماز ادا کیا کرتے تھے، اور اپنی امت کو نماز کی تلقین کیا کرتے تھے، قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں انبیائے کرام کی نمازوں کا تفصیلی ذکر ہے۔

سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۴۰ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا فرمائی: رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ۔ اے میرے پروردگار! مجھے اور میری ذریت کو نماز کا پابند بنادے، اور میری دعا قبول فرما۔

سورۂ مریم کی آیت نمبر ۵۴/۵۵ میں حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا: وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۚ﴿۵۴﴾

وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۔ میرے بندے اسماعیل کو یاد کرو، وہ وعدے کا سچا اور نبی و رسول تھا، اپنے اہل خانہ کو نماز قائم کرنے اور زکات ادا کرنے کا حکم دیتا تھا، اور وہ اپنے رب کا محبوب و مقرب تھا۔

سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۴ میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو جادۂ توحید پر گامزن رہنے، اور نماز قائم کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝۱۳ اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ اے موسیٰ! میں نے تمھیں منصب رسالت کے لیے چن لیا ہے، اپنی جانب کی جانے والی وحی کو توجہ سے سنو کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، لہذا میری بندگی کرو، اور میری یاد سے اپنے دل کو معمور رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۳۹ میں حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ هُوَ قَآىِٕمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ۔ جبرئیل امین نے ان کو پکارا جب وہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔

سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۱۷ میں ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ۔ اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دو، اور اس راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں پر صبر کرو۔

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۳ میں حضرت مریم کو مخاطب کر کے فرمایا: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ اے مریم بنت عمران! اپنے رب کے حکم کی اطاعت کر، سجدہ کر، رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع کر۔

سورۂ مریم کی آیت نمبر ۳۰/۳۱ میں حضرت عیسی علیہ الصلاۃ و السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝۳۰ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں، میرے رب نے مجھے اپنی کتاب انجیل عطا کی، اور مجھے ہر مقام پر بابرکت بنایا، اور تادم اخیر نماز قائم کرنے اور زکات ادا کرنے کا حکم دیا۔

سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر ۴۵ میں ہمارے نبی رحمت ﷺ سے فرمایا گیا: اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۔ اے محبوب اس کتاب کی تلاوت کرو جو تمھارے جانب وحی کی گئی، اور نماز قائم کرو، بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے، اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔

انبیائے سابقین اور سید عالم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نمازوں کا اس کثرت سے اہتمام فرماتے تھے کہ ان کی آمد سے ہزاروں سال پہلے ہی توریت وانجیل وغیرہ سابقہ آسمانی کتابوں میں صحابۂ کرام کا تذکرہ کر دیا گیا، اور ان آسمانی کتابوں میں حضرات صحابہ کرام کی یہ علامت بتائی گئی کہ وہ نمازوں کے حد درجہ پابند ہوں گے، چناں چہ سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں، ان کے صحابہ کفار کے لیے سخت اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں، تم صحابہ کو دیکھو گے کہ وہ فضل خداوندی اور رضاے الٰہی کی جستجو میں رکوع کرتے ہیں اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، یعنی نماز ادا کرتے ہیں، اور طویل ترین سجدوں کے باعث ان کے چہرے پر نور اور چمک دار ہیں۔

عزیزان گرامی! ہماری اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ نماز سابقہ انبیاے کرام کی سنت ہے، ہمارے آقا و مولی حضور رحمت عالم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اور صحابہ کے چہروں کا نور ہے، نماز قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، بلکہ نماز دونوں جہان میں کامیابی حاصل کرنے کا آسان ترین نسخہ ہے۔ اسی لیے قرآن نے ہر ہر فرد کو حکم دیا: وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ۔ زندگی کے آخری لمحے تک اللہ کی بندگی کرتے رہو، اور نماز ادا کرتے رہو۔

سن اے غافل صدا میری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
نہ سمجھوگے تو مٹ جاوگے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

نماز کی چوتھی خصوصیت

نماز کے علاوہ باقی تمام عبادتیں زمین پر فرض ہوئیں، جب کہ نماز آسمانوں میں فرض ہوئی۔ نماز کے علاوہ تمام عبادتیں بذریعۂ وحی یا بواسطہ جبرئیل حضور تک پہنچیں، لیکن نماز بغیر کسی واسطہ کے براہ راست حضور کو عطا کی گئی۔ چناں چہ حدیث معراج میں ہے، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: فأوحى إلي ما أوحى، أو ففرض علي خمسين صلاة في كل يوم وليلة، فنزلت إلى موسى، فقال: ما فرض ربك على أمتك؟ قلت: خمسين صلاة. قال: ارجع إلى ربك، فسله التخفيف، فإن أمتك لا يطيقون ذلك، فإني قد بلوت بني إسرائيل وخبرتهم. قال: فرجعت إلى ربي، فقلت: يا رب! خفف على أمتي. فحط عني خمسا، فرجعت إلى موسى، فقلت: حط عني خمسا. قال: إن أمتك لا يطيقون ذلك، فارجع إلى ربك فسله التخفيف. قال: فلم أزل أرجع بين ربي تبارك وتعالى وبين موسى عليه السلام حتى قال: يا محمد! إنهن خمس صلوات كل يوم وليلة، لكل صلاة عشر، فذلك خمسون صلاة[4]۔

یعنی جب میں سدرۃ المنتہی کے آگے بڑھا، اور خدائے ذوالجلال کے قرب خاص میں پہنچا، تو خلاق اکبر نے میری جانب وحی فرمائی، اور دن و رات میں مجھ پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں، میں واپسی میں حضرت موسیٰ کے پاس پہنچا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا

(۴) — امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ ص:۹۱

:آپ کے رب نے اپنے قرب خاص میں آپ کی امت پر کون سی عبادت فرض کی؟تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پچاس وقت کی نمازیں، حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب کے پاس واپس جائیے، اور ان نمازوں میں کچھ تخفیف کرائیے ،کیوں کہ آپ کی امت پچاس وقت کی نمازیں ادا نہیں کرپائے گی، حضور اکرم ﷺ اپنے رب کے پاس واپس تشریف لے گئے،اور نمازوں میں تخفیف کی درخواست کی ، تو رب ذوالجلال نے پانچ نمازوں کی تخفیف کردی، حضور اکرم ﷺ حضرت موسی علیہ السلام کے پاس واپس تشریف لائے،اور فرمایا: پانچ نمازوں کی تخفیف ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ کی امت پینتالیس وقت کی نماز بھی ادا نہیں کرپاے گی،جائیے، اور تخفیف کرائیے، حدیث پاک میں ہے: فلم أزل أرجع بين ربي تبارك وتعالى وبين موسى عليه السلام۔یعنی میں رب کائنات سے حضرت موسیٰ کے پاس،اور حضرت موسیٰ سے رب کائنات کی پاس آتا جاتا رہا،یہاں تک کہ پانچ نمازیں باقی رہ گئیں،توحضرت حق سبحانہ نے فرمایا: يا محمد! إنهن خمس صلوات كل يوم وليلة، لكل صلاة عشر، فذلك خمسون صلاة۔ اے محمد عربی! یہ دن بھر میں پانچ وقت کی نمازیں ہیں،اور ہر نماز کے عوض دس نمازوں کاثواب دیاجائے گا،اس طرح پانچ نمازوں کے عوض پچاس نمازوں کا ثواب عطا کیا جائے گا، سبحان اللہ ! محنت پانچ نمازوں کی،لیکن اجر پچاس نمازوں کا۔

ہم تومائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہ رو منزل ہی نہیں
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسی ہی نہیں

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ نماز آسمانوں میں فرض کی گئی، دوسری عبادتوں کی طرح زمین پر کیوں فرض نہیں کی گئی؟اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کو معراج سے ایک خاص مناسبت حاصل ہے ، اور اسی خاص مناسبت کی بنیاد پر نماز معراج کی رات

آسمانوں میں فرض کی گئی، اور وہ مناسبت یہ ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے، جس طرح سفر معراج دیدار الٰہی کا ایک ذریعہ ہے، بالکل اسی طرح نماز بھی دیدار الٰہی کا ایک ذریعہ ہے، کیوں کہ جو لوگ فرائض وواجبات اور سنن وآداب کی رعایت کرتے ہوئے کامل خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں ان کی نگاہوں کے سامنے سے حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں، اور وہ لوگ دل کی نگاہوں سے یعنی نور بصیرت سے ذات باری کا مشاہدہ کرتے ہیں، اسی مقام کو مقام احسان کہتے ہیں، حدیث جبریل میں ہے: قال: یا رسول الله! ما الإحسان؟ قال: أن تعبد الله كأنك تراه فإنك إن لا تراه فإنه يراك(۵)۔ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طور پر کرو گویا کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اور اگر اتنا نہ ہو سکے تو پھر اس یقین کے ساتھ عبادت کرو کہ خدا تمھیں دیکھ رہا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ نماز محض ایک عبادت ہی نہیں، بلکہ دیدار الٰہی سے شرف یاب ہونے کا اہم ترین ذریعہ ہے، خدا کا قرب حاصل کرنے کا بڑا اہم ذریعہ ہے، لہٰذا نماز کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ افضل ترین عمل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الصلاةُ لوقتها(۶)۔ اللہ کے نزدیک افضل ترین عمل نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا ہے، اللہ رب العزت ہم سب کو نمازوں کو ان کے مستحب اوقات میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نماز کی پانچویں خصوصیت:

نماز پنج گانہ صرف امت محمدیہ کی خصوصیت ہے، یعنی سابقہ اقوام میں بعض نمازیں متفرق طور پر ادا کی گئیں۔ فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، اور شرح معانی الآثار، باب الصلاۃ الوسطیٰ کے مطابق فجر کی نماز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے پڑھی، ظہر کی

(۵) – امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج:۱، ص:۲۹۔
(۶) – امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج:۱، ص:۶۲۔

نماز سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے پڑھی، عصر کی نماز سب سے پہلے حضرت یونس، یا حضرت سلیمان، یا پھر حضرت عزیز علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی، مغرب کی نماز سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے پڑھی۔

سورۂ مریم کی آیت نمبر ۱۱ میں حضرت زکریا علیہ الصلاۃ و السلام کے بارے میں مذکور ہے: فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا۔ حضرت زکریا علیہ الصلاۃ و السلام محراب کے باہر تشریف لائے، اور اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو اور اس کی بندگی کرو۔

یعنی سابقہ امتوں کو یہ نمازیں متفرق طور پہ عطا ہوئی تھیں، لیکن اللہ رب العزت نے ان تمام عبادات کو یکجا کرکے امت محمدیہ پر فرض کردیا، چناں چہ حضرت شیخ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: الصلوات الخمس لم تجتمع لغيره ولغير أمته ولا لنبي قبله، وإنما الأنبياء قبله كانت لهم صلاة موافقة لبعض هذه دون مجموعها۔ یعنی نماز پنج گانہ امت محمدیہ سے پہلے نہ کسی نبی کو عطا کی گئیں نہ کسی امت کو عطا کی گئیں، انبیاے کرام نماز ادا فرماتے تھے، اور ان کی نمازیں امت محمدیہ کی بعض نمازوں کے موافق تھیں۔

نماز کی چھٹی خصوصیت

نماز افضل العبادات ہے، اس لیے کہ فرضیت نماز کا مقصد سب سے افضل و اعلی ہے، اور جب کسی شی کا مقصد عظیم ہوتا ہے، تو وہ شی بھی عظیم ہوجاتی ہے، اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے بندوں پر مختلف عبادتیں فرض کیں، اور ہر عبادت کی فرضیت کا مقصد بھی بیان کیا، جب ہم ان تمام عبادات کی فرضیت کے مقاصد پر غور کرتے ہیں تو نماز کی فرضیت کا مقصد سب سے اشرف و اعلیٰ نظر آتا ہے۔

اللہ رب العزت نے روزے فرض کیے، روزہ کی فرضیت کا مقصد بیان کرتے

ہوئے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۳ میں فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ روزہ اس لیے فرض کیا گیا کہ تم متقی بن جاؤ، یعنی روزہ کی فرضیت کا مقصد تقویٰ شعار بنانا ہے۔

یوں ہی زکات فرض کی، اور زکات کی فرضیت کا مقصد بیان کرتے ہوئے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد فرمایا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ۔ اے محبوب !ان سے زکات لے کر ان کا مال پاک کردو۔ یعنی زکاۃ کی فرضیت کا مقصد تطہیر مال ہے۔

یوں ہی حج فرض کیا، اور حج کی فرضیت کا مقصد بیان کرتے ہوئے سورۃ الحج کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد فرمایا: لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ ہم نے حج فرض کیا تاکہ حاجیوں کو دین و دنیا کے کچھ فوائد حاصل ہوجائیں۔ یعنی حج کی فرضیت کا مقصد یہ ہے کہ حجاج کرام کو متعدّد فوائد سے مالامال کردیا جائے۔

اب حاصل کلام یہ ہوا کہ روزہ کی فرضیت کا مقصد تقویٰ شعار بنانا ہے، زکات کی فرضیت کا مقصد بندوں کے مال کو پاک کرنا ہے، حج کی فرضیت کا مقصد متعدّد منافع سے مالامال کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سارے مقاصد اور فوائد بندوں سے متعلق ہیں، لیکن قربان جائیے نماز کی عظمت اور اس کی فرضیت کے مقصد پر، نماز کی فرضیت کا مقصد ان سب مقاصد سے بہت بلند ہے، اللہ تعالیٰ فرضیت نماز کا مقصد بیان کرتے ہوئے سورۂ طہ کی آیت نمبر ۱۴ میں فرماتا ہے: وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ نماز قائم کرو میرے ذکر سے اپنے سینوں کو معمور رکھنے کے لئے، نماز قائم کرو میری یاد سے اپنے دلوں کو منور رکھنے کے لیے، نماز قائم کرو میری یاد میں خود کو فنا کرنے کے لیے، اے میرے بندو! میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔

کتنا عظیم مقصد ہے فرضیت نماز کا، نماز بندے کو ذاکر بنادیتی ہے، نماز بندے کو یاد الٰہی میں مصروف کردیتی ہے، نماز مردہ دلوں کو زندہ کردیتی ہے، نماز ویران گھروں کو آباد کردیتی ہے، نماز اجڑے ہوئے دیار کو بسا دیتی ہے، نماز بندے کو محبت مولیٰ میں فنا کردیتی ہے، اور قرب خاص کی لذتوں سے شاد کام کردیتی ہے، جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کے

چہرے تاب ناک ہوتے ہیں ،ان کے دل روشن ہوتے ہیں،اور دونوں جہان کی کامیابیاں ان کے قدم چومتی ہیں۔

نماز کی ساتویں خصوصیت

نماز ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے ،جب کہ دوسری عبادتوں کا معاملہ اس سے کسی قدر مختلف ہے،زکات صرف صاحب نصاب پر فرض ہے،حج صرف صاحب استطاعت پر فرض ہے،روزہ صرف ان لوگوں پر فرض ہے جن کے اندر روزہ رکھنے کی طاقت ہو،چناں چہ شیخ فانی کے لیے فدیہ ہے،یوں ہی جہاد ان لوگوں پر فرض ہے جو جہاد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں،اندھے،لنگڑے اور مریض میدان جنگ میں نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

یعنی نماز کے علاوہ دیگر تمام عبادات میں بعض افراد کے لیے رخصت ہے،جب کہ نماز بلاتفریق سب پر فرض ہے، تاکہ اس عظیم ترین عبادت کی برکتوں سے امیر وغریب، مسافر ومقیم،حاکم ومحکوم،شاہ وگدا سب کے سب محظوظ ہوتے رہیں۔

نماز کے ذریعے ہر شخص اپنے رب کے حضور حاضر ہوکر مناجات کرسکتا ہے،اور دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔

نماز کی آٹھویں خصوصیت

نماز میں تکرار ہے،جب کہ دوسری عبادات میں تکرار نہیں ہے۔مثلاحج، زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔زکات سال میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔یوں ہی روزہ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔جب کہ نماز سن بلوغ میں قدم رکھنے کے بعد سے لے کر اخیر دم تک فرض ہے،اور وہ بھی ہر روز پانچ مرتبہ۔

اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ نفسانی خواہشات،دنیا کی رنگینیاں،اہل وعیال اور دوست

واحباب کی محبت بندے کو خدا سے غافل کردیتی ہیں، اور اسے نفس وشیطان کے دام فریب میں پھنسادیتی ہیں، اگر بندہ چند دن اسی حال میں رہ جائے تو اس کا آئینۂ دل داغ دار ہوجائے گا، اور رفتہ رفتہ اس بندے کے دل سے ایمان کی حلاوت، اسلام کی عظمت اور اللہ ورسول کی محبت ختم ہوجائے گی، کچھ عجب نہیں کہ وہ ایمان کی لازوال دولت سے بھی محروم ہوجائے، اسی لیے رب کائنات نے دن بھر میں پانچ وقت کی نماز فرض کردی، تاکہ یہ نماز بندے کو کبائر سے بھی روکے، اور صغائر کے لیے کفارہ بھی بن جائے، اس طرح بندہ دنیا کی رنگینیوں میں رہتے ہوئے بھی اپنے رب سے رشتۂ عبدیت قائم رکھنے میں کامیاب ہوسکتا ہے، اور بقدر طاقت بشری حق بندگی ادا کرسکتا ہے۔

نماز کی نویں خصوصیت

نماز مؤخر کرنے سے قضا ہوجاتی ہے، جب کہ دوسرے اعمال کا معاملہ ایسا نہیں، مثلاً حج فرض ہونے کے ایک دو سال بعد بھی ادا کیا جائے تب بھی ادا ہی ہوگا، قضا نہیں ہوگا۔ یوں ہی بیمار اور مسافر کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ ایام مرض اور ایام سفر میں روزہ نہ رکھیں، اور عذر ختم ہونے کے بعد فوت شدہ روزوں کی قضا کریں۔ لیکن نماز کے سلسلے میں ایسی کوئی رخصت نہیں ہے، بلکہ نماز کو ان کے اوقات میں ادا نہ کرنے والوں کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں، اسی لیے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ: اگر بچہ آدھے سے زیادہ پیدا نہیں ہوا ہے، اور نماز کا وقت جارہا ہے، اور یہ گمان ہے کہ آدھے سے زیادہ باہر ہونے سے پہلے وقت نکل جائے گا، تو اس وقت کی نماز جس طرح ممکن ہو پڑھے، اور اگر قیام، رکوع، سجود پر قادر نہ ہوسکے تو اشارہ سے پڑھے، وضو نہ کرسکے تو تیمم سے پڑھے، اور اگر نہ پڑھی تو گنہ گار ہوئی، توبہ کرے، بعد طہارت قضا پڑھے (۷)۔

دردزہ اور وضع حمل کی تکلیف کو کون نہیں جانتا، سورۂ مریم کی آیت نمبر ۲۳ میں

(۷) - صدر الشریعہ، بہار شریعت، حصہ دوم، نفاس کا بیان، ص: ۳۴۸۔

حضرت مریم کی زبانی دردزہ کی تکلیف کچھ اس طرح بیان ہوئی ہے: قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ وقت ولادت اتنی شدید تکلیف ہوتی ہے کہ حضرت مریم جیسی خدارسیدہ صابرہ بھی لاچار ہوکر کہتی ہیں اے کاش! اس جانکاہ لمحے کے آنے سے پہلے پہلے میں دنیا سے رخصت ہوگئی ہوتی۔

غور فرمائیں! جب ایسے پر مشقت اور دشوار گذار لمحات میں نماز قضا کرنے کی اجازت نہیں تو عام حالات میں نماز قضا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سورۃ الماعون کی آیت نمبر ۴/۵ میں ہے: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۔ خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو نمازوں سے غافل ہیں، یعنی کبھی ادا کرتے ہیں، اور کبھی قضا کرتے ہیں۔ یا کبھی ادا کرتے ہیں، اور کبھی سرے سے ادا ہی نہیں کرتے، اللہ رب العزت ہم سب کو نمازوں کا پابند بنائے۔

نماز کی دسویں خصوصیت

نماز میں بہت زیادہ تنوع ہے، جب کہ دوسری عبادات میں اس قدر تنوع نہیں ہے، مثلاً حج فرض، حج نفل، حج اصلی اور حج بدل سب کی ادائیگی کا طریقہ ایک ہی ہے۔ اسی طرح فرض، واجب، سنت، نفل، ادا، قضا اور کفارہ وغیرہ سارے روزوں کا طریقہ یکساں ہے۔ جب کہ نماز کا معاملہ دوسری عبادات سے بہت حد تک مختلف ہے، صحت مند کھڑے ہوکر نماز پڑھے، جو کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو تو لیٹے لیٹے اشاروں سے پڑھے۔ مقیم ظہر و عصر اور عشا میں چار چار رکعت پڑھے، اور مسافر دو رکعت قصر کرے۔ نماز ظہر و عصر میں سری قراءت کرے، بقیہ میں جہری قراءت کرے۔ نماز ظہر میں سری قراءت کرے، لیکن نماز جمعہ میں قراءت بالجہر کرے۔ نماز پنج گانہ میں کوئی زائد تکبیر نہیں، جب کہ عیدین میں عندالاحناف چھ تکبیرات زوائد ہیں۔ ہر نماز میں قراءت اور رکوع و سجود فرض ہیں، جب کہ نماز جنازہ میں رکوع و سجود ہے ہی نہیں۔ سال

بھر میں کسی بھی وقت جمع بین الصلاتین کی اجازت نہیں، جب کہ مقام عرفات میں بشرط جماعت جمع تقدیم اور مقام مزدلفہ میں مطلقا جمع تاخیر واجب ہے۔ ان سب کے ساتھ ساتھ نماز خوف کی ادائیگی کا طریقہ عام نمازوں سے یکسر مختلف ہے۔ حالت فرار میں سواری پر نماز درست ہے، اور استقبال قبلہ بھی ضروری نہیں۔

یہ تنوع نماز ہی کی خصوصیت ہے، نماز کے علاوہ دوسری عبادات میں تنوع کی ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی، اس تنوع کی وجہ یہ ہے کہ پنج وقتہ نماز ہر شخص پر فرض ہے، ہر وقت فرض ہے، اور ہر جگہ فرض ہے۔ اگر نماز میں یہ تنوع اور سہولت نہ ہوتو نماز بندوں کے لیے تکلیف مالا یطاق بن سکتی ہے، اور لوگ سفر، مرض، ازدحام اور اضطرار کی حالت میں سرے سے نماز ہی ترک کردیں گے۔ اسی لیے نماز میں اس قدر تنوع اور اس قدر سہولت رکھی گئی، تاکہ ترک صلات کی سرے سے گنجائش ہی نہ رہے، اور ہر زمانے، ہر خطے، اور ہر طبقے کے لوگ بآسانی نماز ادا کرسکیں، ان سہولتوں کے باوجود اگر کوئی نماز کے سلسلے میں کوتاہی کرے تو وہ یقینا بہت ہی بڑا محروم قسمت ہے، اور اس کا یہ عمل لائق ملامت اور قابل صد افسوس ہے۔

نماز کی گیارہویں اور آخری خصوصیت

جو اہتمام نماز کے لیے کیا گیا اس کی نظیر دوسری عبادتوں میں نہیں ملتی، مثلاً نماز کے لیے طہارت کاملہ یعنی نمازی کا حدث اکبر اور حدث اصغر سے پاک ہونا ضروری ہے، جب کہ زکات اور روزے میں طہارت کوئی ضروری نہیں، یوں ہی حج کے رکن اعظم وقوف عرفہ کے لیے طہارت شرط نہیں۔

نماز تنہا بھی ادا ہوجائے گی، لیکن جماعت کے ساتھ ادا کرنا واجب وضروری ہے، اس واجب کی ادائیگی کے لیے مسجدیں بنائی جاتی ہیں، نماز کے علاوہ کسی اور عبادت میں جماعت ضروری نہیں اسی لیے ان عبادات کی ادائیگی کے لیے کوئی جگہ مختص نہیں ہوتی۔

ارکان اسلام میں زکات، روزہ، حج اور دیگر عبادت کے لیے دعوت نہیں دی جاتی

جب کہ نماز کے لیے دن بھر میں پانچ مرتبہ اذان اور پانچ مرتبہ اقامت کہی جاتی ہے، اذان میں چار مرتبہ اور اقامت میں چھ مرتبہ نماز کی دعوت دی جاتی ہے، علاوہ ازیں اذان فجر میں دو مرتبہ الصلاۃ خیر من النوم کی صدا لگائی جاتی ہے، اور بندوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا جاتا ہے، اس طرح دن بھر میں باون مرتبہ نماز کی دعوت دی جاتی ہے، اور سب کو معلوم ہے کہ یہ ایک مسجد کی اذان کا معاملہ ہے، شہر میں دس مساجد ہوں تو پانچ سو بیس مرتبہ، سو مساجد ہوں تو پانچ ہزار دو سو مرتبہ اور اگر ہزار مساجد ہوں تو باون ہزار مرتبہ نماز کی دعوت دی جاتی ہے، اور روئے زمین پر نہ جانے کتنی مسجدیں ہوں گی اور ہر علاقے میں نماز کے اوقات مختلف ہوں گے، اس طرح بیش تر اوقات بلکہ چوبیس گھنٹے ہزاروں لاکھوں دفعہ نماز کی دعوت دی جاتی ہے، اور بندگان خدا کو رب کے حضور حاضری کے لیے طلب کیا جاتا ہے، اگر کوئی اب بھی نماز کے لیے مسجد میں حاضر نہ ہو تو پھر اسے محرومی، بربادی، اور دنیا و آخرت میں ناکامی و نامرادی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، لہٰذا میرے بھائیو! نمازوں کا اہتمام کرو، جماعت کا التزام کرو، اللہ رب العزت سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۴۳ میں ارشاد فرماتا ہے: وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ۔ نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، یعنی با جماعت نماز ادا کرو، اللہ رب العزت ہم سب کو نماز با جماعت کا پابند بنائے۔ آمین، بجاہ النبی الامین ﷺ۔

سجدے کے فضائل اور خصوصیات

عزیزان گرامی! سجدہ اللہ رب العزت کی بندگی کا سب سے محبوب اور منفرد طریقہ ہے، جس میں بندہ اپنی بلند ترین پیشانی کو زمین نیاز پہ جھکا کر خدائے ذوالجلال کی عظمت و کبریائی کی شہادت دیتا ہے، اور اپنی ذلت و فروتنی کا اعتراف کرتا ہے، اللہ رب العزت کو بندوں کی یہ ادائیں بہت زیادہ پسند ہیں، اللہ رب العزت کو اپنے بندوں کے سجدے بہت زیادہ محبوب ہیں، اسی لیے قرآن پاک میں متعدّد مقامات پر سجدہ کا حکم دیا، سجدہ کی خصوصیات اور فضائل بیان کیے، اور سجدہ کو قرب خاص تک رسائی حاصل کرنے کا اہم ترین ذریعہ قرار دیا۔

آج کی گفتگو میں ہم سجدہ کے بعض اہم امتیازات و خصوصیات اور فضائل و برکات بیان کریں گے، تاکہ ہم اپنی پیشانیوں میں سجدوں کی تڑپ پیدا کر سکیں، اور سجدہ کی حقیقی لذتیں محسوس کر سکیں۔

سجدہ کی پہلی خصوصیت

سجدہ نماز کا اہم ترین رکن ہے۔ سجدہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے نماز کو سجدہ سے، نمازیوں کو ساجدین سے اور جائے نماز کو مسجد سے تعبیر فرمایا، نماز کو سجدہ سے تعبیر کرتے ہوئے سورۂ ق کی آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا: وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَ اَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ۔ رات میں اور نماز پنج گانہ کے بعد اللہ کی تسبیح بیان کرو۔ اسی طرح سورۃ القیامۃ کی آیت نمبر ۲۶ میں فرمایا: وَمِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَسَبِّحۡهُ لَيۡلًا طَوِيۡلًا۔ رات میں نماز ادا کرو، اور اپنے رب کی خوب تسبیح بیان کرو۔

نمازیوں کو ساجدین سے تعبیر کرتے ہوئے سورۃ الحجر کی آخری آیات میں فرمایا: فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَ كُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۝۹۸ وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ۝۹۹۔ اپنے

رب کی تسبیح کرو، نماز ادا کرو، اور آخری دم تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔ اسی طرح سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۲۱۸/۲۱۷ میں فرمایا: وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۔ اس غالب اور مہربان خدا پر بھروسہ کرو جو تمھارے قیام اللیل اور نماز باجماعت کو دیکھ رہا ہے۔

اسلامی عبادت گاہوں کو دنیا بھر کے مسلمان مسجد ہی کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں، اور یہی قرآن وحدیث کی اصطلاح بھی ہے۔ اللہ رب العزت اسلامی عبادت گاہ یعنی مساجد کا ذکر کرتے ہوے سورۃ الجن کی آیت نمبر ۱۸ میں فرماتا ہے: وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ مساجد اللہ کے لیے ہیں، اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی مت کرو۔

نماز کو سجدہ سے موسوم کرنا، نمازیوں کو ساجدین سے موسوم کرنا، اور عبادت گاہوں کو مساجد کے نام سے موسوم کرنا سجدہ کی اہمیت پر واضح دلیل ہے۔ بلاغت کی اصطلاح میں اسی کو تسمية الشئ بأشرف الأجزاء کہتے ہیں۔

سجدہ کی دوسری خصوصیت

سجدہ ایک رکعت میں ادا کیے جانے والے ارکان میں سب سے آخری رکن ہے۔ اس کے باوجود قرآن پاک نے کہیں سجدہ کو قیام پر مقدم کیا، اور کہیں رکوع پر مقدم کیا۔ سجدہ کو قیام پر مقدم کرتے ہوئے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۶۴ میں فرمایا: وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا۔ اللہ کے محبوب بندے سجدہ اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۹ میں ارشاد فرمایا: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ۔ عذاب آخرت کے خوف اور رحمت الٰہی کی امید میں سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات کو عبادت کرنے والے، اور شب و روز گناہ کرنے والے دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔

سجدہ کو رکوع پر مقدم کرتے ہوئے سورۂ آل عمران کی آیت ۴۳ نمبر میں فرمایا:
یٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِىْ وَ ارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ اے مریم اپنے رب کی بندگی کر، سجدہ کر، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

خلاف ترتیب سجدہ کو قیام اور رکوع وغیرہ دوسرے ارکان پر مقدم کرنا سجدہ کی افضلیت پر روشن دلیل ہے۔

سجدہ کی تیسری خصوصیت

ارکان نماز پر غور کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ ایک رکعت میں سوائے سجدہ کے کوئی بھی رکن مکرر نہیں ہوتا، قیام ایک بار ہوتا ہے، قراءت ایک بار ہوتی ہے، رکوع ایک بار ہوتا ہے، لیکن سجدہ دو بار ہوتا ہے، سجدہ کی تکرار کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ سجدہ روح نماز ہے، جان عبادت ہے، حاصل بندگی ہے، اور قرب خاص تک رسائی حاصل کرنے کا سب سے اہم ترین ذریعہ ہے۔

سجدہ کی چوتھی خصوصیت

سجدہ ارشاد باری وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا کی عملی تفسیر ہے، کیوں کہ بندہ سجدہ کے دوران مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ بندہ حالت قیام میں تاحد نگاہ دیکھ سکتا ہے، حالت رکوع میں پیر اور اس کے آس پاس کی جگہ دیکھ سکتا ہے، قعدہ میں گود وغیرہ دیکھ سکتا ہے، لیکن سجدہ قیام، قعود اور رکوع وغیرہ ارکان سے یکسر مختلف ہوتا ہے، کیوں کہ بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو ساری دنیا سے غافل ہوکر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، دوران سجدہ خلق سے بے نیازی، دنیا سے بیزاری اور توجہ الی اللہ کا عالم یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے، اور جب بندہ اپنے رب کے لیے سب کچھ بھلا دیتا ہے تو رب کائنات اسے قرب

خاص کی لذتوں سے شاد کام فرماتا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: أقرب ما یکون العبد من ربه وھو ساجد فأکثروا الدعاء(۸)۔ بندہ سجدہ کے دوران اپنے رب سے قریب تر ہوجاتا ہے، اسی لئے سجدہ میں خوب دعائیں کرو۔

صوفیاے کرام فرماتے ہیں کہ خلق، دنیا، اور نفس وشیطان بندے کے لیے خدا سے حجاب ہوتے ہیں، بندہ جب تک ان چاروں عناصر میں سے کسی سے قریب ہوتا ہے خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا، جوں ہی ان چاروں عناصر سے دور ہوتا ہے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور خدا کا قرب حاصل ہوجاتا ہے۔ اور دوران سجدہ بندہ خلق، دنیا، اور نفس وشیطان سے مکمل طور پر دور ونفور ہوجاتا ہے، اسی لیے بندہ خدا کا مقرب ومحبوب ہوجاتا ہے۔

سجدہ کی پانچویں خصوصیت

سجدہ ہمہ تن عبادت ہے، یعنی سجدہ کے علاوہ دوسرے ارکان کی ادائیگی کے لیے ایک دو عضو کا سہارا لیا جاتا ہے، مثلاً قیام کے لیے پیروں کا سہارا لیا جاتا ہے، قراءت کے لیے زبان کا سہارا لیا جاتا ہے، رکوع کے لیے بطور خاص پیٹھ کا سہارا لیا جاتا ہے، ہر رکن کے لیے کم سے کم ایک، اور زیادہ سے زیادہ دو عضو استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن سجدہ کے لیے ایک دو عضو کا استعمال ناکافی ہوتا ہے، بلکہ بندہ جب تک اپنے پورے وجود کو مصروف عبادت نہیں کرتا اس وقت تک سجدہ ادا نہیں ہوسکتا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم الجبھة وأشار بیده علی أنفه والیدین والرجلین وأطراف القدمین(۹)۔ یعنی مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ سات اعضا پر سجدہ کروں، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیر کے ذریعہ سجدہ کروں۔

(۸) -امام مسلم، صحیح مسلم، جلد اول، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، ص:۱۹۱۔
(۹)-امام مسلم، صحیح مسلم، جلد اول، کتاب الصلاۃ، باب اعضاء السجود، ص:۱۹۳۔

جب بندہ اپنے پورے وجود کو اپنے رب کی بندگی میں لگا دیتا ہے تو اللہ رب العزت اس بندے سے خوش ہوکر اسے اپنا محبوب و مقرب بنالیتا ہے۔

واضح رہے کہ اللہ رب العزت کی ہمہ تن بندگی کی سجدہ سے زیادہ بہتر اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی، اس لیے تقرب الی اللہ کا سجدہ سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں ہوسکتا۔

سجدہ کی چھٹی خصوصیت

سجدہ تمام مخلوقات کی ہیأت عبادت ہے، سجدہ تمام مخلوقات کی طرز بندگی ہے، یعنی کائنات کی ہر شئ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، ہر مخلوق اللہ کی عبادت کرتی ہے، اور یہ عبادت حالت قیام یا حالت رکوع میں نہیں ہوتی، حالت قعدہ یا حالت اضطجاع میں نہیں ہوتی، بلکہ حالت سجدہ میں ہوتی ہے، یعنی کائنات کی ہر ہر شئ اپنے رب کے حضور سجدہ کرتی ہے، اور اپنا حق بندگی ادا کرتی ہے۔ اللہ رب العزت سورۃ الحج کی آیت نمبر ۱۸ میں ارشاد فرماتا ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ۩ آسمان وزمین کی ہر مخلوق، چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بیش تر انسان اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ اور بہت سے افراد سجدہ نہ کرنے کے سبب عذاب کے حق دار ٹھہرے۔

اسی طرح سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۱۵ میں فرماتا ہے: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۩ آسمان وزمین کی ہر مخلوق طوعاً وکرہاً اسی کا سجدہ کرتی ہے [۱۰]۔

تمام حیوانات وجمادات کے لیے بلکہ آسمان وزمین میں آباد تمام مخلوقات کے لیے سجدوں کا اہتمام اس بات پر واضح دلیل ہے کہ خالق کائنات کے حضور سجدہ انتہائی محبوب

---

(۱۰)-یہ اور اس سے پہلے کی آیت آیت سجدہ ہے، لہٰذا ان آیات کو پڑھنے کے بعد ضرور سجدہ کریں۔

ترین عمل ہے، اور اللہ رب العزت کی مرضی یہ ہے کہ تمام مخلوقات اس کے حضور سجدہ ریز ہوکر اس کی عظمت و کبریائی کی گواہی دے، اللہ رب العزت کی تسبیح بیان کرکے اور اس کے حضور گریہ وزاری کرکے اپنی بندگی کا ثبوت پیش کرے۔

ہماری اس گفتگو سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ سجدہ نماز کا اہم ترین رکن ہے، بلکہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث دوسرے ارکان پر فضیلت رکھتا ہے، اللہ رب العزت ہم سب کو بکثرت سجدہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے.

اب آئیے سجدہ کی خصوصیات سے نکل کر فضائل کی طرف بڑھتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں سجدہ کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ سجدہ کے فضائل بھی بیان کیے گیے ہیں، ہم بھی آپ کی خدمت میں سجدہ کے فضائل وبرکات بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

سجدہ کی پہلی فضیلت

سجدہ کی برکت سے بے اطمینانی، دل کی تنگی اور قساوت قلبی دور ہوتی ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول کائنات ﷺ کو کفار مکہ کے نازیبا کلمات سے دلی صدمہ پہنچتا تھا تو اللہ رب العزت نے آپ کو حکم دیا کہ اے محبوب! تم اللہ کی تسبیح بیان کرو، اور بکثرت سجدہ کرو، تمھاری قلبی تکلیف دور ہوجائے گی، چناں چہ سورۃ الحجر کی آخری آیات میں فرمایا: وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کو دلی صدمہ پہنچتا ہے، تو اپنے رب کی تسبیح بیان کرو، نماز ادا کرو، اور آخری دم تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔

ابھی ہم نے واضح طور پہ بیان کیا کہ بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو اپنے رب سے قریب ہوجاتا ہے، اور جب اپنے رب سے قریب ہوتا ہے تو بے اطمینانی دور ہوجاتی ہے، قلبی سکون میسر ہوجاتا ہے، اور سارے غم غلط ہوجاتے ہیں، اسی لیے پریشان حالوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

سجدہ کی دوسری فضیلت

سجدہ کرنے والوں کے چہرے پر نور ہوتے ہیں، خالق لم یزل عزوجل صحابۂ کرام کے چہروں کی نورانیت کا سبب بیان کرتے ہوئے سورۃ الفتح کی آخری آیت میں ارشاد فرماتا ہے: تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ، آپ انھیں دیکھو گے کہ رضائے الٰہی کے لیے رکوع و سجود کرتے ہیں، اور سجدوں کے آثار ان کے چہروں پہ ہویدا ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ومن يحاذي الشمس يقع شعاعها على وجهه، فيتبين على وجهه النور منبسطاً، مع أن الشمس لها نور عارضي يقبل الزوال، والله نور السموات والأرض، فمن يتوجه إلى وجهه يظهر في وجهه نور يبهر الأنوار(١١)۔

اس عبارت کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب کوئی انسان سورج کی طرف رخ کرتا ہے تو سورج کی شعائیں اس کے چہرے پہ پڑتی ہیں، اور اس کے چہرہ سے نور برسنے لگتا ہے، حالاں کہ سورج کا نور عارضی اور فانی ہے، بالکل اسی طرح جب کوئی بندہ سجدہ کرتا ہے تو اپنا چہرہ اس رب کی طرف کرلیتا ہے جو آسمان وزمین کا نور ہے، اسی نور مطلق کی تجلیوں سے چہرہ روشن و تاب ناک ہوجاتا ہے۔

اور یہ نورانیت دنیا میں بھی رہے گی جیسا کہ عموم آیت سے ظاہر ہے، اور آخرت میں بھی رہے گی جیسا کہ ارشاد باری: يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ سے ظاہر ہے، یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے روشن و تاب ناک ہوں گے، اور جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ جنتی ہوں گے۔

---

(١١) - امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، تفسیر متعلقہ آیت۔

سجدہ کی تیسری فضیلت

سجدہ تقرب الی اللہ کا سب سے اہم ذریعہ ہے،سورۃ العلق کی آیت سجدہ یعنی آخری آیت میں ہے: كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡهُ وَ اسۡجُدۡ وَ اقۡتَرِبۡ۔ حرم شریف میں نماز نہ پڑھنے کی سلسلے میں ابوجہل کی بات نہ مانو، سجدہ کرتے رہو،اور اپنے رب کا قرب حاصل کرتے رہو۔

ان آیات واحادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو بندہ سجدہ کرتا ہے وہ اللہ کا مقرب ہوجاتا ہے، اب اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ جو بندہ سجدہ نہیں کرتا وہ مطرود و مخذول یعنی راندۂ بارگاہ ہوجاتا ہے، تخلیق آدم کا قصہ ہمارے دعوے پر روشن دلیل ہے، اللہ رب العزت نے حضرت آدم کو پیدا کیا، اور ابلیس سمیت تمام ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا، ملائکہ نے سجدہ کیا اور حسب سابق مقرب بارگاہ رہے، لیکن شیطان نے انکار کیا تو حکم ہوا: فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۚ وَّ اِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ۔ صبح قیامت تک کے لیے ملعون ہوکر جنت سے نکل جا۔

غور فرمائیں کہ ایک مرتبہ سجدہ تعظیمی نہ کرنے کے بہ سبب ابلیس ہمیشہ کے لیے راندۂ بارگاہ ہوگیا، تو بار بار نماز اور سجدۂ تعبدی کا ترک کس قدر ناکامی اور محرومی کا باعث ہوگا؟

سجدہ کی چوتھی اور پانچویں فضیلت

جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو شیطان خود بہ خود دور ہوجاتا ہے، مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: إذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشيطان يبكى، يقول يا ويله أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة، وأمرت بالسجود فأبيت، فلى النار[۱۲]۔ یعنی بندہ جب آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان اپنی نافرمانی کو یاد کرکے کہتا ہے کہ

(۱۲)-امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق الکفر علی من ترک الصلاۃ، ص:۶۱۔

ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا، اس نے سجدہ کیا، اور جنت کا حق دار بن گیا، لیکن افسوس صد افسوس! مجھے بھی سجدہ کا حکم ہوا لیکن میں نے سجدہ سے انکار کیا، اور جہنمی ہوگیا۔

اس حدیث پاک سے سجدہ کی دو فضیلتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ سجدہ کے وقت شیطان علاحدہ ہوجاتا ہے، اور دوسرے یہ کہ سجدہ کرنے والوں کے لیے جنت ہے، دوسری حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عليك بكثرة السجود لله فإنك لا تسجد لله سجدة إلا رفعك الله بها درجة وحط عنك بها خطيئة[۱۳]۔ یعنی کثرت سے سجدہ کرو، کیوں بندہ جب بھی سجدہ کرتا ہے تو اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے، اور اس کا ایک گناہ معاف ہوجاتا ہے۔

سجدہ کی چھٹی فضیلت

قیامت کے دن اللہ رب العزت کشف ساق فرمائے گا، اور اپنے بندوں کو سجدہ کا حکم دے گا، اس وقت وہی لوگ سجدہ کر سکیں گے جو دنیا میں سجدہ کیا کرتے تھے، اور جو لوگ دنیا میں کفر وشرک پر مصر تھے، اور سجدہ کا انکار کیا کرتے تھے وہ قیامت کے دن سجدہ کی کوشش کریں گے، لیکن ان کی پیٹھ سیدھی کردی جاے گی، اور وہ سجدہ سے محروم کر دیے جائیں گے، تاکہ انھیں محسوس ہو کہ سجدہ کا انکار کس قدر تباہ کن اور افسوس ناک ہے۔ اللہ رب العزت کشف ساق اور سجدہ کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ القلم کی آیت نمبر ۴۲/۴۳ میں فرماتا ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ۔ جس دن کشف ساق ہوگا، سجدہ کے لیے سب کو بلایا جائے گا، مگر کفار سجدہ نہ کر سکیں گے، اس دن ان کی نگاہیں شرم سے جھکی ہوئی ہوں گی، اور چہروں پر ذلت وخواری برس رہی ہوگی۔

آخرت میں سجدہ سے محرومی کا سبب یہ بنا کہ انھیں دنیا میں اس وقت سجدہ کی

۱۳) – امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود، ج:۱، ص:۱۹۳۔

دعوت دی جاتی تھی جب وہ صحیح وسالم تھے، لیکن وہ سجدہ سے انکار کرتے تھے تو بطور سزا آخرت میں انھیں سجدہ سے محروم کردیا گیا۔

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يكشف ربنا عن ساقه فيسجد له كل مؤمن ومؤمنة، ويبقى كل من كان يسجد في الدنيا رياء وسمعة فيذهب ليسجد فيعود ظهره طبقا واحداً (۱۴)۔

یعنی اللہ رب العزت قیامت کے دن کشف ساق فرمائے گا، سارے مومن بندے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوجائیں گے، اور جو لوگ دنیا میں ریا کاری کرتے تھے، لوگوں کے دکھاوے کے لیے سجدہ کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگران کی پیٹھ سیدھی کردی جائے گی، اور وہ سجدہ سے محروم کردیے جائیں گے۔ لہذا صرف اللہ کے لیے سجدہ کیا جائے، اور خالصۃً لوجہ اللہ سجدہ کیا جائے۔

ہماری گفتگو سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ سجدہ انتہائی اہم ترین عبادت ہے، سجدہ نماز کا رکن اعظم ہے، سجدہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، سجدہ تسکین قلب کا باعث ہے، سجدہ شیطان سے نجات کا راستہ ہے، سجدہ جنت میں لے جانے والا عمل ہے، اور سجدہ نہ کرنا شیطانی عمل ہے، خدا سے دوری اور ناراضگی کا سبب ہے، قیامت کے دن سجدہ سے محرومی کا باعث ہے، اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اسی لیے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ نماز پنج گانہ کا اہتمام کرے، اور پورے خلوص و للّٰہیت کے ساتھ سجدے کرے، اور اس یقین کے ساتھ کہ :

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے   ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(ڈاکٹر اقبال)

(۱۴) - امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ج:۲، ص:۷۳۱

اخیر میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سجدہ کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) - سجدہ کفر　　(۲) - سجدہ حرام　　(۳) - سجدہ مکروہ

(۴) - سجدہ مستحب　(۵) - سجدہ واجب　　(۶) - سجدہ فرض

❶ - سجدہ کفر: اللہ کے علاوہ کسی بھی جان دار یا غیر جان دار کے سامنے بہ نیت عبادت سجدہ کرنا کفر ہے۔

❷ - سجدہ حرام: اللہ کے علاوہ کسی بھی جان دار یا غیر جان دار کے سامنے بہ نیت تعظیم سجدہ کرنا حرام وگناہ ہے۔

❸ - سجدہ مکروہ: مکروہ اوقات میں سجدہ عبادت اور سجدہ تلاوت دونوں مکروہ ہیں۔

❹ - سجدہ مستحب: شکر و دعا کے لیے سجدہ کرنا مستحب ہے۔

❺ - سجدہ واجب: سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت دونوں واجب ہیں۔

❻ - سجدہ فرض: فرض، واجب، سنت، نفل، ادا، قضا یعنی ہر نماز کی ہر ہر رکعت کے دونوں سجدے فرض ہیں۔

در اصل یہی دو سجدے بندے کو اپنے رب سے قریب کرتے ہیں، اور دنیا وآخرت میں کامیابی سے ہم کنار کرتے ہیں، اللہ رب العزت سورۃ الحج کی آیت نمبر ۷۷ میں فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو، اور کار خیر کرو تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

ماہ ذی الحجہ ...... خصوصیات وفضائل

یہ ماہ ذی الحجہ ہے، یہ اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے، یہ بڑا مقدس اور بابرکت مہینہ ہے، یہ مہینہ اپنی گوناگوں خوبیوں کی بنیاد پر سال کے دوسرے مہینوں میں امتیازی شان کا حامل ہے، قرآن کریم میں اس ماہ مبارک کا نام تو نہیں ہے، لیکن متعدّد مقامات پر اس ماہ مبارک کا ذکر ہے، اس ماہ مبارک میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے، اس ماہ مبارک میں ادا کیے جانے والے اعمال کا ذکر ہے، آج کی گفتگو میں ہم اسی ماہ مبارک کا ذکر کریں گے، پہلے قرآن کریم کے ان مقامات کی نشان دہی کریں گے جن میں اس ماہ مبارک کا ذکر ہے، پھر اس ماہ مبارک کے فضائل واعمال کا ذکر کریں گے، تاکہ ہمیں اس بات پر یقین کامل ہوجائے کہ ہمارے دین ومذہب اور ایمان وعمل کی بنیاد صرف اور صرف کتاب وسنت پر ہے۔

عزیزان گرامی! قرآن مجید فرقان حمید میں متعدّد مقامات پر ماہ ذی الحجہ کا ذکر کیا گیا، اور مختلف طریقوں سے کیا گیا، کہیں أشھر حرم کے عنوان سے، کہیں أشھر حج کے عنوان سے، اور کہیں شھر حرم کے عنوان سے اس ماہ مبارک کی عظمتیں بیان کی گئیں، کہیں اس ماہ مبارک کے مخصوص ایام کا ذکر کیا گیا، کہیں اس ماہ مبارک کی راتوں کی قسم یاد کی گئی، اور کہیں اس ماہ مبارک میں پیش آنے والے واقعات بیان کیے گیے۔ ہم آپ کی خدمت میں چند ایسی آیتیں پیش کریں گے جن سے آپ اس ماہ مبارک کی عظمتوں کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حرمت والے مہینے

خالق لم یزل عزوجل نے اشہر حرم کے ضمن میں اس ماہ مقدس کا ذکر فرمایا ہے، چناں چہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۳۶ میں ہے: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ

كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ اللہ کے نزدیک روز اول ہی سے اسلامی مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں، ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

بخاری شریف میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کونین سلطان دارین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: السنة اثنا عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاث متواليات: ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان(۱۵)۔ یعنی اسلامی سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔

اس آیت مبارکہ میں ماہ ذی الحجہ کا ذکر ہے، قرآن کریم نے اسے شہر حرام قرار دیا ہے، اور اس کی حرمت و تعظیم کا حکم دیا ہے، اس میں کسی بھی قسم کی ظلم و زیادتی اور قتل و غارت گری کو ممنوع و حرام قرار دیا ہے، اس ماہ مبارک میں نیکیوں کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے، اور گناہوں کی سزا بھی سخت کر دی جاتی ہے، اس لیے کہ جو اس ماہ مبارک میں نیکی کرتا ہے وہ ایک طرف نیکی کرتا ہے اور دوسری طرف شہر حرام کی تعظیم کرتا ہے، اور جو اس ماہ مبارک میں گناہ کرتا ہے وہ ایک طرف گناہ کرتا ہے تو دوسری طرف شہر حرام کی حرمت کو پامال کرتا ہے، لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس ماہ مبارک کی قدر کرے، جہاں تک ہو سکے نیکیاں کرے، اور گناہوں سے مکمل اجتناب کرے۔

شہر حرام

قران مجید میں اس ماہ مبارک کا ذکر شہر حرام کے عنوان سے کیا گیا ہے، چناں چہ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۹۷ میں ہے: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ

(۱۵) - امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ج:۲، ص:۶۷۳۔

الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو، حرمت والے مہینے کو، قربانی کے جانور اور نشان زد چوپایوں کو تمھارے لیے دینی اور دنیوی امور کے قیام کا ذریعہ بنایا، اور ایسا اس لیے کیا کہ تمھیں معلوم ہوجائے کہ اللہ آسمان وزمین کی ہر شیٔ کو جانتا ہے، اور اسے ہر شی کا علم ہے۔

اس آیت مبارکہ میں شہر حرام سے ذی الحجہ مراد ہے، کیوں کہ سیاق وسباق میں ان مناسک حج کا ذکر ہے جو اسی ماہ مبارک میں ادا کیے جاتے ہیں، اور اگر اس آیت میں شہر حرام سے چاروں حرمت والے مہینے مراد ہوں تب بھی ماہ ذی الحجہ کی فضیلت بروجہ اتم ثابت ہوجاتی ہے، کیوں کہ ذی الحجہ بھی انھیں چار حرمت والے مہینوں میں ایک ہے۔

حج کے مہینے

قرآن کریم نے اوقات حج اور احکام حج کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے، اللہ رب العزت سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۹۷ میں ارشاد فرماتا ہے: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔ حج کے لیے چند مہینے مخصوص ہیں، جو ان مہینوں میں حج کا احرام باندھے اس پر لازم ہے کہ جماع اور مقدمات جماع سے پرہیز کرے، فضول گوئی اور فحش کلامی سے احتراز کرے، اور کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے، اللہ تمھارے کارہائے خیر کو جانتا ہے، حج میں زاد سفر لے کر چلو، اور بہترین زاد سفر وہ ہے جس کے بہ سبب کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے، اے عقل مندو! مجھ سے ڈرو۔

اس آیت مبارکہ کے مطابق اشہر حج یعنی حج کے مہینوں میں تین چیزوں سے پرہیز ضروری ہے، اب سوال یہ ہے کہ اشہر حج کیا ہیں، اشہر حج تین ہیں: شوال، ذی قعدہ، اور

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن، شوال اور ذی قعدہ میں حج کا احرام باندھا جاسکتا ہے، اور حج کی نیت کی جاسکتی ہے، جب کہ حج کا رکن اعظم وقوف عرفہ نویں ذی الحجہ کو ہوگا، اور طواف زیارت ایام نحر میں ہوگا، اسی طرح دیگر مناسک حج ماہ ذی الحجہ ہی میں ادا کیے جائیں گے، اسی مناسبت سے اس ماہ مبارک کو ذی الحجہ یعنی حج کا مہینہ کہا جاتا ہے، اس طرح قرآن کریم نے احکام حج کے باب میں ماہ ذی الحجہ کا ذکر کیا ہے، بلکہ یوں کہیے کہ قرآن کریم نے جہاں جہاں حج کا ذکر کیا ہے گویا اس مہینے کا ذکر کیا ہے، اس لیے کہ یہی حج کا مہینہ ہے۔

ایام حج

اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۲۷ -۲۸ میں ارشاد فرماتا ہے: وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ۔ اے ابراہیم! لوگوں میں حج کا اعلان کردو، اعلان سن کر میرے بندے پاپیادہ اور دور دراز علاقوں سے لاغر اونٹیوں پر سوار ہوکر آئیں گے، اس سفر کا مقصد یہ ہے کہ وہ بیت اللہ پہنچ کر اپنے دینی اور دنیوی فوائد حاصل کریں، اور متعیّن دنوں میں اللہ کا ذکر کریں۔

اس آیت کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ سے فارغ ہوکر حضرت حق سبحانہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ مولیٰ! میں تیرے گھر کی تعمیر سے فارغ ہوگیا، تو اللہ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں اعلان کردو کہ وہ حج کے لیے آئیں اور بیت اللہ شریف کا طواف کریں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ابو قبیس پر چڑھ کر حج کا اعلان کیا، تو آپ کی آواز اکناف عالم میں پھیل گئی، اور صبح قیامت تک جن کی قسمت میں حج لکھا تھا سب نے اپنے باپ کی صلب سے اور اپنی ماں کے شکم سے لبیک کہا، اور آج بھی لبیک کہتے ہوئے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے حج بیت اللہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں، اور پروانہ وار کعبہ کا طواف کرتے ہیں، نیز

دنیوی اور اخروی فوائد سے بہرہ ور ہوتے ہیں، اور ایام حج میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

ہماری پیش کردہ آیت مبارکہ کا آخری ٹکڑا ہے أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ،اسی ایام معلومات کے متعلق تفسرات احمدیہ سمیت مختلف تفاسیر میں ہے: والأيام المعلومات عشر ذي الحجة كما هو قول علي وابن عباس والحسن وقتادة وهو مذهب أبي حنيفة(۱۶)۔یہاں ایام معلومات سے مراد ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں، یہ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت حسن، اور حضرت قتادہ کا قول ہے، اور یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔

اس تفسیر کی روشنی میں بجا طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ الحج میں ماہ ذی الحجہ اور اس میں کیے جانے والے اعمال ووظائف کا ذکر ہے۔

اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۰۳ میں فرمایا: وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔یعنی متعیّنہ دنوں میں اللہ کا ذکر کرو، جو جلدی کرے اور دو ہی دنوں میں منیٰ سے چلا جائے اس کے لیے کوئی حرج نہیں، اور جو تاخیر سے جائے اس کے لیے بھی کوئی حرج نہیں، اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ کو تمھیں اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔

یہاں پر اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ سے ایام تشریق مراد ہیں، جن کی مدت نویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے تیرہویں کی شام تک ہے، یہ دن اللہ رب العزت کی جانب سے خصوصی ضیافت کے ہوتے ہیں، اسی لیے ان ایام میں روزہ رکھنا منع ہے، اور اس خصوصی ضیافت کے شکرانے میں ہر نماز باجماعت کے بعد تکبیر تشریق ضروری ہے، تکبیر تشریق کے علاوہ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح لازم وضروری ہے۔

---

(۱۶) - ملاجیون، تفسیرات احمدیہ، ص:۳۵۰۔

ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن

اللہ رب العزت سورۃ الفجر میں ارشاد فرماتا ہے: وَ الْفَجْرِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَيَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ یعنی قسم ہے روشن صبح کی، قسم ہے دس راتوں کی، قسم ہے جفت اور طاق کی، قسم ہے رات کی جب چل دے۔ اس آیت مبارکہ میں متعدّد قسمیں یاد کی گئیں ہیں، پانچ قسمیں ذکر کی گئیں ہیں، ان قسموں کے سلسلے میں کافی اختلاف ہے، البتہ مفسرین کی ایک بڑی جماعت کا موقف یہ ہے کہ لیال عشر سے مراد ماہ ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، اور فجر سے مراد ابتدائی دس راتوں سے متّصل صبح ہیں، شفع سے مراد یوم النحر ہے، اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے، ان ایام کی قسم یاد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بڑے بابرکت ایام ہیں، اور ان ہی ایام میں مناسک حج ادا کیے جاتے ہیں۔

ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے چالیس دن

اللہ رب العزت کا فرمان ہے، سورۃ الاعراف میں ہے: وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۔ ہم نے موسیٰ سے تیس دن کا وعدہ کیا، اور اس میں دس دن کا اضافہ کیا تو چالیس کی مدت پوری ہوگئی۔

اس آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا کہ دشمن کی ہلاکت کے بعد تمھیں اللہ کی طرف سے ایک ایسی کتاب لاکر دوں گا جس میں حلال وحرام کا ذکر ہوگا، دشمن کے تباہ وبرباد ہوجانے کے بعد آپ نے اپنے رب سے دعا کی تو حکم ہوا کہ تیس دن روزہ رکھو، آپ نے تیس روزے رکھے، تیس روزوں کے بعد مناجات سے پہلے آپ نے مسواک کرلی، جس سے آپ کے منھ کی بو بدل گئی، یعنی روزہ کی خوشبو ختم ہوگئی، ملائکہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اے اللہ کے کلیم! آپ نے یہ کیا کردیا؟ ہم تو آپ کے دہن مبارک سے مشک کی خوشبو سونگھا کرتے تھے، مسواک کرنے کے بعد یہ خوشبو زائل ہوگئی، اور ہم آپ کی خوشبو سے محروم ہوگئے، اللہ رب العزت نے آپ کی

جانب وحی بھیجی کہ روزہ دار کے منہ کی بو ہمارے نزدیک مشک سے زیادہ بہتر ہے، لہٰذا اس مسواک کے بعد مزید دس دن کے روزے رکھو تاکہ تمھارے منہ کی خوشبو بحال ہو جائے، پھر ہماری بارگاہ میں مناجات کے لیے آؤ۔

عزیزان گرامی! یہ تو اس آیت کریمہ کی شان نزول ہوئی، لیکن ہمیں عرض یہ کرنا ہے کہ آخر وہ کون سے تیس دن تھے جن میں آپ نے روزہ رکھا؟ آخر وہ کون سے دس دن تھے جن میں دس اضافی روزوں کا حکم ہوا؟ آخر وہ کون سے چالیس دن تھے جن کو قرآن نے مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ سے تعبیر کیا؟ جس کے بعد شرف ہم کلامی سے بھی نوازا، ایک تجلی بھی ڈالی، اور علم وحکمت اور وعظ ونصیحت سے لبریز کتاب مقدس توریت بھی عطا کی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پیغمبر علم وحکمت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس روزے ماہ ذی قعدہ میں رکھے، مزید دس روزے ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں رکھے، اس طرح آپ نے ماہ ذی قعدہ اور ماہ ذی الحجہ میں چالیس روزے رکھے، اور انھیں مقدس روزوں کے بعد رب کائنات نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اور انھیں کتاب مبارک توریت عطا فرمائی۔

ہماری پیش کردہ آیات کو سن کر آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ماہ ذی الحجہ بڑا مقدس اور بابرکت مہینہ ہے، رب کائنات نے اسے شہر حرام بنایا، اور اس میں ہر قسم کے ظلم وگناہ سے منع فرمایا۔ رب کائنات نے اسے شہر حج بنایا اور حاجی کو رفث، فسوق اور جدال سے منع فرمایا۔ رب کائنات نے اسے ذکر وشکر اور قربانی کا مہینہ بنایا۔ رب کائنات نے اس مہینہ کی، اس کے بابرکت شب وروز کی، اور بطور خاص یوم عرفہ اور یوم النحر کی قسم یاد فرمائی۔ یہی نہیں، بلکہ اپنی بارگاہ میں مناجات کے لیے، اپنے دیدار کے لیے، اور اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب حکمت عطا کرنے کے لیے اسی مبارک مہینہ کا انتخاب فرمایا، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ صرف زمانۂ اسلام ہی میں نہیں بلکہ سابقہ ادوار میں بھی بڑا مقدس اور بابرکت مہینہ تھا، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس مبارک مہینہ کی قدر کرتے ہوئے اس ماہ مبارک میں اللہ ورسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

ماہ ذی الحجہ کی چند اہم خصوصیات

عزیزان گرامی! جب ہم ماہ ذی الحجہ پر غور کرتے ہیں تو اس کے دامن میں کچھ ایسی خوبیاں نظر آتی ہیں جو دوسرے مہینوں میں سرے سے نہیں پائی جاتی ہیں یا بہت کم پائی جاتی ہیں، مثلاً

۱ - اسلام کی دو مشہور ترین عیدیں ہیں: ایک عید الفطر، دوسری عید الاضحیٰ، عید الفطر تو یکم شوال کو منائی جاتی ہے، جب کہ عید الاضحیٰ اسی ماہ ذی الحجہ میں منائی جاتی ہے، وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ عید الفطر کی ضیافت ایک دن میں اختتام پذیر ہوجاتی ہے، جب کہ عید الاضحیٰ میں ضیافت کا سلسلہ تین دن تک جاری رہتا ہے۔

۲ - اسلام کے چار اہم ترین ارکان ہیں: نماز، روزہ، حج اور زکات۔ نماز سال بھر بلکہ زندگی بھر ادا کرنا ضروری ہے۔ زکات سال میں کبھی بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ روزے بھی سال بھر رکھے جاسکتے ہیں، فرق اتنا ہے کہ اگر رمضان میں رکھے جائیں تو ادا ہوں گے، غیر رمضان میں رکھے جائیں تو قضا ہوں گے، بہر صورت روزے سال بھر رکھے جاسکتے ہیں اور جب بھی رکھے جائیں درست ہوجائیں گے۔ لیکن حج کا حال باقی ارکان سے بالکل مختلف ہے، کیوں کہ حج ادا ہو کہ قضا، حج اصلی ہو یا حج بدل، حج فرض ہو، حج واجب ہو یا حج نفل، حج قران ہو، حج تمتع ہو یا حج افراد، کسی بھی قسم کا حج ہو سال میں صرف ایک ہی بار ادا ہوسکتا ہے، ایک ہی مہینے میں ادا ہوسکتا ہے، وہ مبارک مہینہ ذی الحجہ ہے، اور یہ اس مہینہ کی ایسی خصوصیت ہے جو دوسروں میں سرے سے نہیں پائی جاتی ہے، شاید اسی وجہ سے اسے ذی الحجہ یعنی حج کا مہینہ کہا جاتا ہے۔

۳ - یہ نزول قرآن کی تکمیل کا مہینہ ہے، یہ دین اسلام کی تکمیل کا مہینہ ہے، کیوں کی اسی ماہ مبارک میں آیت کریمہ: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ نازل ہوئی، بخاری شریف میں حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کسی یہودی نے کہا:

يا أمير المؤمنين آية في كتابكم تقرؤونها لو علينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلك اليوم عيدا، قال أي آية ؟ قال: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔قال عمر: قد عرفنا ذلك اليوم والمكان الذي نزلت فيه على النبي ﷺ وهو قائم بعرفة يوم جمعة(۱۷)۔یعنی یہودی نے کہا: آپ کے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر ہمارے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس آیت کے نزول کے دن کو عید سمجھتے ، اور اسے بطور عید مناتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے کہا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ حضرت عمر نے فرمایا: مجھے معلوم ہے وہ آیت کب نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی، اور وقت نزول رسول گرامی وقار ﷺ کہاں تشریف فرما تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت مقام عرفہ میں نازل ہوئی اور جمعہ کے دن نازل ہوئی، اس آیت کے نزول کے دن ہم ایک نہیں بلکہ دو دو عید مناتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے لیے یوم جمعہ بھی عید ہے، اور یوم عرفہ بھی عید ہے۔

اس طرح ہم کہ سکتے ہیں کہ اس مہینہ میں ایک بقر عید ہی نہیں، بلکہ ایک اور عید بھی ہے، وہ ہے عید تکمیل اسلام۔ اگر اس مہینہ کی دسویں کو عید قربانی کا دن ہے تو نویں کو تکمیل نزول قرآن اور تکمیل دین اسلام کی عید کا دن ہے۔

ماہ ذی الحجہ کے فضائل واعمال

رفیقان گرامی! اپنی گفتگو ختم کرنے سے پہلے اس ماہ مبارک میں کیے جانے والے بعض اعمال کا ذکر کرنا چاہوں گا تاکہ ہم اس ماہ مبارک کی قدر کرتے ہوئے اس کو حتی الوسع نیکیوں میں گزاریں، ویسے تو اس ماہ مبارک کے اعمال ووظائف کی ایک لمبی فہرست ہے، لیکن میں صرف پانچ بنیادی اور ضروری اعمال ووظائف آپ کے گوش گزار کروں گا۔

(۱۷) - امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان ونقصانہ، ج:۱، ص:۱۱

۱/۲- اس ماہ مبارک کے ابتدائی ایام کو اس طور پہ گزاریں کہ دن روزوں میں اور رات نوافل میں بسر ہوں، ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من أيام أحب إلى الله أن يتعبد له فيها من عشر ذي الحجة يعدل صيام كل يوم منها بصيام سنة وقيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر(۱۸) اللہ رب العزت کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں اس کی بندگی کی جائے، اس عشرہ میں ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہوتا ہے، اور ایک رات کا قیام شب قدر میں قیام کے برابر ہوتا ہے، چند دنوں بعد یہ ماہ مبارک ضوفگن ہونے والا ہے، لہذا اس خوب صورت موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

۳ - اگر کسی وجہ سے نو دن روزہ نہ رکھ سکیں تو کم از کم نویں ذی الحجہ کو ضرور روزہ رکھیں، اور زوال آفتاب کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک ذکر الٰہی میں مصروف رہیں، اور خوب دعائیں کریں، کیوں کہ اس دن زوال آفتاب کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان اول سے تجلی فرماتا ہے، ذکر ودعا میں مصروف بندوں پر ملائکہ سے مباہات فرماتا ہے، اور سب کو بے حساب بخش دیتا ہے۔

۴- نویں ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک جماعت مستحبہ کے ساتھ پڑھی جانے والی ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ تکبیر تشریق کہنا واجب ہے، اور تین بار کہنا افضل ہے، تکبیر تشریق یہ ہے: الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد۔

۵- حج کے بعد اس ماہ مبارک کا سب سے عظیم ترین عمل قربانی ہے، اس کا وقت نماز عید کے بعد سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے، البتہ دسویں کو قربانی کرنا افضل ہے، اس دن نہ ہو سکے تو گیارہ یا بارہ کو بھی کر سکتے ہیں، یہ قربانی ہر جامع شرائط صاحب نصاب مسلمان پر

---

(۱۸) - امام ترمذی، جامع ترمذی، ابواب الصوم، باب العمل فی ایام العشر، ج:۱، ص: ۹۴-۱۸

واجب ہے، قربانی کے ایام میں قربانی سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے، امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت زید بن ارقم سے روایت کی، آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول کائنات ﷺ سے پوچھا: يا رسول الله ما هذه الأضاحي؟ یا رسول اللہ یہ قربانی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سنة أبيكم إبراهيم عليه السلام (۱۹)۔ یہ تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، حضرت زید فرماتے ہیں کہ ہم نے پوچھا: فما لنا فيها؟ اس قربانی میں ہمیں کتنا ثواب ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بكل شعرة حسنة۔ شعرة میں تنوین تحقیر کے لیے اور حسنة میں تنوین تعظیم کے لیے ہے، لہذا مطلب یہ ہوا کہ جانور کے ہر چھوٹے سے چھوٹے بال کے عوض ایک عظیم نیکی لکھی جائے گی۔

اللہ اکبر! کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ جانور کے کتنے بال ہوتے ہیں؟ نہیں، کوئی نہیں لگا سکتا، لہذا اس حدیث پاک کا واضح مطلب یہ ہوا کہ جو بندۂ مومن قربانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بے حساب نیکیاں عطا فرماتا ہے۔

قربانی کے احکام و مسائل ایک مستقل موضوع ہے جس پر بعد میں کبھی تفصیلی گفتگو ہوگی۔ آج ان ہی چند کلمات کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں، اللہ رب العزت ہمیں اس ماہ مبارک کی کما حقہ قدر کرنے اور اس میں خوب نیکیاں کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، یارب العالمین۔

---

(۱۹) - ابو بکر احمد بن حسین البیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب الضحایا، ج:۹، ص:۲۶۱۔

قرآن کریم اور خدمت خلق

عزیزان گرامی! ہم ایک اللہ کے بندے ہیں، ایک رسول کے امتی ہیں، ایک قرآن کے متبع ہیں، اور ایک قبلہ کے پابند ہیں، اس وحدت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سب بھائی بھائی بن کر رہیں، باہمی تعاون کرتے رہیں، اور ایک دوسرے کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے رہیں، ارشاد باری ہے: وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۖ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ۔ یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔

اس آیت مبارکہ میں باہمی تعاون کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ دوسری آیات میں باہمی تعاون سے متعلق بیش قیمت نصائح اور ایمان افروز واقعات بیان کیے گئے ہیں، ساتھ ہی خدمت خلق کے دنیوی اور اخروی فوائد بھی بیان کیے گئے ہیں، ہم آج آپ کے سامنے خدمت خلق کے تعلق سے مختلف سورتوں کی متعدّد آیتیں پیش کریں گے، اور خدمت خلق کے حوالے سے انبیائے کرام اور صالحین امت کے چشم کشا واقعات بھی بیان کریں گے، تاکہ ہم اس نفرت وعداوت کے ماحول میں اخوت وبھائی چارگی اور محبت وایثار کی جانب قدم بڑھائیں، اور اپنے معاشرہ میں خیر خواہی، ہمدردی اور باہمی تعاون کے جذبات کو فروغ دیں، اب آئیے قرآن کریم کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس باب میں اللہ کی کتاب ہماری کیا رہ نمائی کرتی ہے؟

مدد کرنا اللہ کی سنت ہے

اللہ ہمارا معین ومددگار ہے، ہمارا ہر کام اسی کی مدد سے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے، ایک انسان ہی نہیں بلکہ ساری کائنات اسی کے رحم وکرم پر پلتی ہے، اور اسی کی نصرت وتائید کے بھروسے پہ زندگی گزارتی ہے، قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو سینکڑوں مقامات

پہ نصرت الٰہی اور تائید غیبی کا ذکر ملے گا، کہیں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمھاری مدد فرمائے گا، اور تمھیں ثابت قدمی عطافرمائے گا۔ کہیں فرمایا: وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ۔ جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا۔ کہیں فرمایا: اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ۔ اگر اللہ تمھاری مدد فرمادے تو کوئی بھی تم پہ غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہی تمھاری مدد نہ کرے تو پھر کون ہے جو تمھارا ساتھ دے، اور تمھاری مدد کرے۔ کہیں فرمایا: وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ہم نے مسلمانوں کی مدد کو اپنے ذمۂ کرم پر لازم کرلیا ہے۔ کہیں فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ۔ ہم دنیا وآخرت میں اپنے رسولوں کی اور مومن بندوں کی مدد کریں گے

اس طرح قرآن پاک میں سیکڑوں مقامات پر اللہ کی مدد کا ذکر ہے ۔اور اللہ کی مدد اس قدر عام وتام ہے کہ ہر بندہ مصیبت میں اسی کو یاد کرتا ہے، اور زبان حال سے یوں عرض کرتا ہے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ۔ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، اللہ ہمارا والی ہے اور وہی ہمارا معین ومددگار ہے

"قرآنی آیات کی روشنی میں اللہ کی مدد" ایک مستقل موضوع ہے جس پر کبھی تفصیلی گفتگو کروں گا، آج ان آیات کی روشنی میں صرف اتنا بتانا چاہوں گا کہ بندوں کی مدد کرنا، حاجت مندوں کے کام آنا، اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنا اللہ کی سنت ہے، لہٰذا اس سنت الٰہیہ کو اپناتے ہوئے ہمیں بھی دوسروں کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔ کچھ لوگ دوسروں کی مدد کو بوجھ سمجھتے ہیں، بسا اوقات تضییع اوقات سے تعبیر کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے دوسروں کی مدد نہ بوجھ ہے نہ ہی تضییع اوقات، یہ تو ایک عظیم ترین سعادت ہے جو سب کو میسر نہیں ہوتی، صرف سعادت مندوں کو میسر ہوتی ہے، اور فیروز بختوں کو۔

انبیاے کرام اور خدمت خلق

انبیاے کرام، رسلان عظام اور صالحین امت کی پاکیزہ زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بندوں کی حاجت روائی، مظلوموں کی فریادرسی، یتیموں کی خبرگیری، بیواؤں کی دست گیری، مریضوں کی مزاج پرسی، اقربا نوازی، غربا پروری وغیرہ کو نہ صرف یہ کہ رضاے الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے ،بلکہ انسانی زندگی کا ایک لازمی عنصر قرار دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان حضرات نے اپنی پوری زندگی خدمت خلق میں گزار دی، اور بلا تفریق مذہب وملت سب کی مدد کی، اور اخلاق، پیار، محبت اور خدمت خلق کی ایک نئی تاریخ رقم کردی۔ آئیے خدمت خلق کے حوالے سے انبیاے کرام اور صالحین امت کے کچھ اہم واقعات سنتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور خدمت خلق

خالق لم یزل عزوجل سورۃ القصص میں ارشاد فرماتا ہے: وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۬ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ ایک کنوئیں سے اپنے جانوروں کو سیراب کر رہے ہیں، ان سے کچھ دوری پر دو عورتیں اپنی بکریاں لیے کھڑی ہیں، اور وہ انھیں آگے بڑھنے سے روک رہی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ تم اپنی بکریوں کو سیراب کیوں نہیں کرتیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب تک یہ چرواہے

اپنے جانوروں کو پانی پلاکر فارغ نہیں ہوجاتے ہم اپنی بکریوں کو سیراب نہیں کرتیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کی مدد فرمائی، کنوئیں سے پانی نکال کر ان کے جانوروں کو سیراب کیا، پھر آپ ایک درخت کے سایے میں بیٹھ گئے، اور اپنے رب کے حضور دعا کی کہ اے اللہ! میں تیری جانب سے نازل ہونے والے ہر خیر کا محتاج ہوں، ادھر وہ عورتیں خلاف معمول قبل از وقت اپنے گھر پہنچ گئیں، تو حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے حقیقت حال دریافت کرنے کے بعد فرمایا: جاؤ، اس خیر خواہ کو بلا لاؤ، تو آپ کی ایک بیٹی شرماتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئی، اور کہنے لگی کہ آپ کو آپ کے حسن عمل کا صلہ دینے کے لیے والدگرامی نے یاد فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس تشریف لائے، اور ان سے اپنا سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: گھبرانے کی ضرورت نہیں، آپ کو ظالموں سے نجات مل گئی۔

اس واقعہ پہ غور کیا جائے تو خدمت خلق کے حوالے سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱ - ہم میں کوئی عظیم منصب پر فائز ہو جائے، یا نمایاں شخصیت کا مالک ہوجائے تو کسی کی مدد کرنے کو اپنی توہین نہ سمجھے، کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود دو حاجت مند عورتوں کی مدد فرمائی، ان کے جانوروں کو سیراب کیا، اور اپنے مبارک عمل سے اس بات کو واضح فرمادیا کہ حاجت مندوں کی مدد کرنا کسی کی عظمت شان کے منافی نہیں۔

۲ - ہم مدد کرنے سے جی چراتے ہیں، اور اگر ہم سے مدد طلب کی جائے تب بھی ہم مدد کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، جب کہ انبیائے کرام کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ جب بھی ان سے مدد طلب کی جاتی ہے وہ فوراً مدد کرتے ہیں، اور اگر کوئی ان سے مدد نہ مانگ سکے تو وہ بذات خود حاجت مندوں سے ملاقات کرتے ہیں، ان کی حاجت معلوم

کرکے ان کی مدد فرماتے ہیں،اور ان کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں،ہمارا پیش کردہ واقعہ اس دعوے پر شاہد عدل ہے،کیوں کہ اس واقعہ میں یہ ہے آپ سے کسی نے مدد نہیں مانگی، آپ خود حاجت مندوں کے پاس تشریف لے گئے،اور ان سے پوچھا: مَا خَطْبُكُمَا؟یعنی تمھاری پریشانی کیا ہے؟ حقیقت حال سے واقف ہونے کے بعد ان کی مدد فرمائی۔

۳ – ہم میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو صرف اپنے شناساؤں کی مدد کرتے ہیں،صرف اپنے شہر کے باشندوں کی مدد کرتے ہیں، یا پھر ان کی مدد کرتے ہیں جن کے ساتھ پیشگی دوستانہ مراسم قائم ہوتے ہیں،یوں ہی بہت سے افراد صرف حضر میں مدد کرتے ہیں اور سفر میں کسی کی مدد کرنے سے کتراتے ہیں،اور کہتے ہیں کہ سفر میں اپنے کام سے کام رکھا جائے اور بس، یہ ہمارا طرز عمل ہے، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرز عمل ہمارے مزاج ومنہاج سے یکسر مختلف ہے،کیوں کہ آپ کا طرز عمل اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ جہاں اپنوں کی مدد کی جائے وہیں بے گانوں کی بھی مدد کی جائے، جہاں شناساؤں کی مدد کی جاے وہیں اجنبیوں کی بھی مدد کی جائے، جیسے حضر میں مدد کی جائے ویسے ہی سفر میں بھی مدد کی جائے، اور یہ جذبہ اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب ہماری سوچ یہ بن جائے: وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی ہم اپنے عمل کا صلہ بندوں سے نہیں بلکہ اللہ سے مانگتے ہیں، جو لوگ رضاے الٰہی کے طالب ہوتے ہیں وہ یہی سوچتے ہیں کہ کسی کی بھی مدد کی جائے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوجائے گی، اسی لیے وہ بلا تفریق سب کی مدد کرتے ہیں، اور جن کا مقصد رضاے الٰہی نہیں ہوتا وہ صرف ان ہی کی مدد کرتے ہیں جن سے ان کے ذاتی مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔

۴ – اگر ہمیں مدد کے لیے بلایا جائے تو اولاً بہ مشکل تیار ہوتے ہیں،اور جب مدد کا وقت آتا ہے تو کسی طرح خانہ پری کرکے بری الذمہ ہوجانے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ہمیں اس بات کا درس ملتا ہے کہ خدمت خلق اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، لہٰذا جب بھی کسی کی مدد کی جائے تو پورے خلوص وللّٰہیت کے

ساتھ کی جائے، اور کامل طور پہ کی جائے، اس واقعہ پہ غور کیجیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس خوش اسلوبی کے ساتھ مدد فرمائی۔

* دو بچیوں کی مدد کے لیے سخت گیر چرواہوں کے بیچ داخل ہوگئے، اور پانی لاکران دونوں کی بکریوں کو سیراب کیا۔

* جس کنوئیں سے پانی نکالا اس کا منھ ایک ایسے بھاری پتھر سے بند تھا جسے اٹھانے اور رکھنے کے لیے دس طاقتور افراد کی ضرورت پیش آتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تن تنہا اس بھاری پتھر کو اٹھایا، اور پانی نکال کر جانوروں کو سیراب کیا۔

۵ – حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کئی دنوں سے بھوکے تھے، آپ چاہتے تو پہلے اپنے کھانے پینے کا انتظام فرماتے، پھر دوسروں کی مدد کرتے، لیکن آپ کے اندر جہاں خدمت خلق کا جذبہ تھا وہی جذبۂ ایثار بھی تھا، وہ بھی اتنا عظیم جذبۂ ایثار کہ اپنی ذات پہ دوسروں کی پیاسی بکریوں کو ترجیح دی، پہلے انھیں سیراب کیا پھر خدا کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوئے: رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ۔ اے اللہ! میں تیری جانب سے نازل ہونے والے ہر خیر کا محتاج ہوں۔

۶ – خدمت خلق ایک ایسا مبارک عمل ہے جس کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں، جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے پہلے دو حاجت مندوں کی مدد فرمائی، پھر اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوکر دعا کی، اور آپ نے جتنی دعائیں کیں سب قبول ہوئیں۔

۷– بہت سے حضرات فی سبیل اللہ خدمت کرتے ہوئے گھبراتے ہیں، کیوں کہ اس میں بظاہر کوئی مادی منفعت نظر نہیں آتی، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، کیوں کہ جو لوگ خالصۃً لوجہ اللہ خدمت کرتے ہیں ان کو دنیا وآخرت دونوں جگہ اجر دیا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام یہ کا واقعہ ہماری تائید کے لیے کافی ہے، آپ نے رضاے الٰہی کے لیے مدد کی، اس کا آخرت میں ضرور اجر دیا جائے گا، اخروی اجر کے ساتھ ساتھ دنیا میں یہ اجر دیا گیا کہ حضرت شعیب نے آپ کو اپنے گھر کھانے پہ مدعو کیا، اور آپ کی قوت وامانت

داری سے متاثر ہو کر آپ سے اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا۔

اس واقعہ کو اور اس سے متعلقہ نکات کو سننے کے بعد آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ خدمت خلق بہت ہی عظیم اور بابرکت کام ہے، لہٰذا جب بھی خدمت کا موقع ملے غنیمت جانیں، بلکہ خدمت خلق کے مواقع تلاش کر حاجت مندوں کی مدد کریں، ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: قال من نفس عن مسلم كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، ومن يسر على معسر في الدنيا يسر الله عليه في الدنيا والآخرة، ومن ستر على مسلم في الدنيا ستر الله عليه في الدنيا والآخرة، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه(۲۰)۔ جو کسی مسلمان کی ایک دنیوی پریشانی دور کردے اللہ اس کی آخرت کی ایک پریشانی دور فرمادے گا، اور جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے اللہ اس پر دنیا وآخرت میں آسانی فرمائے گا، جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، اور جو بندہ اپنے بھائی کی مدد میں مصروف ہوتا ہے، اللہ کی مدد اس مددگار بندے کے شامل حال ہوتی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام اور خدمت خلق

سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی باہمی ملاقات، دریائی سفر، گاؤں کا دورہ اور دوران سفر پیش آنے والے دل چسپ واقعات بڑے واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں، ارشاد باری ہے: فَانْطَلَقَا ۗ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ یعنی دونوں حضرات چلتے رہے، یہاں

(۲۰) - امام ترمذی، جامع ترمذی، ابواب البر والصلہ، باب الستر علی المسلم، ج:۲، ص:۱۵۔

تک کہ ایک گاؤں پہنچ کر وہاں کے باشندوں سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا تو ان لوگوں نے آپ حضرات کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا، آپ دونوں نے دیکھا کہ گاؤں کی ایک دیوار گرنے ہی والی ہے تو حضرت خضر نے وہ دیوار سیدھی کر دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے کہا کہ آپ چاہتے تو اس خدمت کا معاوضہ وصول کر لیتے!

اس واقعہ میں ہمارے لیے خدمت خلق کے حوالے سے بہت سے مفید دروس ہیں:

۱ – یہ واقعہ ہمیں ایثار و قربانی کی تعلیم دیتا ہے، یعنی اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھا جائے، جیسا کہ حضرت خضر نے کیا کہ آپ نے یہ دیوار اس وقت سیدھی کی جب آپ خود بھوکے تھے، آپ نے اپنے خورد و نوش کے انتظام سے زیادہ گرتی دیوار کو درست کرنا ضروری سمجھا، اور دوسروں کے کام کو اپنی ذات پر مقدم رکھا۔

۲ – اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے ہم سب کی مدد کریں، یعنی ان کی بھی مدد کریں جو ہم سے مدد مانگتے ہیں اور ان کی بھی مدد کریں جو ہم سے تقاضا تو نہیں کرتے لیکن انھیں ہماری ضرورت ہوتی ہے، اس واقعہ پہ غور کیجیے کہ حضرت خضر نے بغیر کسی مطالبہ اور درخواست کے از خود دیوار سیدھی کر دی، کیوں کہ آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ اس بستی والوں کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے، اس لیے آپ نے مدد فرمادی۔

۳ – اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی درس ملا کہ ہم مدد یا کسی بھی کار خیر کے سلسلے میں دوسروں کے تعاون کے منتظر نہ رہیں، اگر کوئی ہمارا ساتھ دے تو فبہا، ورنہ ہم سے جو بن پڑے کر گزریں، ہمارے پیش کردہ واقعہ پہ غور کیجیے، حضرت خضر نے دیکھا کہ دیوار گر رہی ہے اور آپ دیوار کی حفاظت کر سکتے ہیں تو آپ نے تن تنہا دیوار درست کر دی، اور اس سلسلے میں کسی سے مدد نہیں لی، حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی مدد نہیں لی جو اس وقت آپ کے ہم سفر تھے۔

۴ – اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بھی کام کا معاوضہ لینا جائز و درست ہے، اور نہ لینا افضل ہے، کیوں کہ اگر خدمت کا معاوضہ ناجائز ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معاوضہ کی بات

ہی نہیں کرتے، اور اگر فی سبیل اللہ خدمت کی اہمیت نہ ہوتی تو شاید حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر عمل کر لیتے۔

۵ – اس واقعہ میں ہمارے لیے سب سے اہم درس یہ ہے کہ اگر کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہو تو بلا تاخیر مدد کریں، اور یہ ہرگز نہ سوچیں کہ ہم اس شخص کی کیوں مدد کریں جس نے فلاں فلاں موقع پر ہماری مدد کرنے سے انکار کر دیا، ہم اس شخص کی کیوں مدد کریں جس سے ہم نے مدد مانگی، لیکن اسے ہماری بے کسی پر ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ قربان جائیے حضرت خضر کی کشادہ ظرفی اور دریا دلی پر، قربان جائیے حضرت خضر کے جذبۂ ایثار و قربانی پر کہ آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے بستی والوں سے ضیافت کا مطالبہ کیا، لیکن انھوں نے آپ کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا، اس بے مروتی اور بد خلقی کے باوجود آپ نے ان بستی والوں کی مدد کی، تن تنہا مدد کی، بغیر کسی درخواست کے مدد کی، اور جب مدد سے فارغ ہو گیے تو اس پر کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا، اور اپنے کردار و عمل سے خدمت خلق کا حقیقی معنی و مفہوم صبح قیامت تک آنے والے انسانوں کے ذہن و فکر میں اتار دیا: لِمِثۡلِ هٰذَا فَلۡيَعۡمَلِ الۡعٰمِلُوۡنَ۔ لوگوں کو اسی طرح کرنا چاہیے، وَ فِیۡ ذٰلِكَ فَلۡيَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ۔ اور ایسے ہی کاموں میں مقابلہ آرائی کرنا چاہیے۔

حضرت ذوالقرنین اور خدمت خلق

حضرت ذو القرنین اللہ کے نیک بندے تھے، آپ اپنے زمانے کے فرماں روائے اعظم تھے، آپ نے مشرق و مغرب کا دورہ کیا، اور جہاں بھی گئے حاجت مندوں کی مدد فرمائی، سورۃ الکہف میں آپ کا واقعہ کچھ اس طرح مذکور ہے: حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيۡنَ السَّدَّيۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوۡا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِنَّ يَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا عَلٰۤى اَنۡ تَجۡعَلَ بَيۡنَنَا وَ بَيۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىۡ فِيۡهِ رَبِّىۡ خَيۡرٌ فَاَعِيۡنُوۡنِىۡ بِقُوَّةٍ اَجۡعَلۡ بَيۡنَكُمۡ وَ بَيۡنَهُمۡ

رَدۡمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ
نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴿ؕ۹۶﴾ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا۔

یعنی جب آپ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو وہاں ایک ایسی قوم کو پایا جو آپ کی بولی نہیں سمجھتی تھی، ان لوگوں نے آپ سے کہا کہ اے ذوالقرنین! یاجوج وماجوج نے زمین میں فساد مچا رکھا ہے، ہم آپ کے لیے کچھ مال جمع کریں گے، آپ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کردیں، ذوالقرنین نے کہا کہ میرے رب نے مجھے جو دولت وفراوانی عطا فرمائی ہے وہ میرے لیے کافی ہے، مجھے تمھارے مالی تعاون کی ضرورت نہیں، البتہ تمھارے عملی تعاون کی ضرورت ہے، اور میں اسی کی مدد سے تمھارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان مضبوط دیوار بنادوں گا، آپ نے فرمایا: لوہے کی تختیاں لاؤ، تختیاں لائی گئیں، آپ نے ان ہی تختیوں سے دیوار کھڑی کردی، یہاں تک کہ جب وہ دیوار پہاڑ کے دونوں کناروں کے متوازی ہوگئی تو آپ نے فرمایا کہ اب دیوار کو پھونک دو، دیوار پھونک دی گئی، جب تختیاں جل کر آگ کی طرح سرخ ہوگئیں تو فرمایا کہ پگھلایا ہوا تانبا حاضر کرو، تاکہ اس کو دیوار پر انڈیل کر مضبوط ومستحکم بنادوں، اس طرح آپ نے ایسی مضبوط ومستحکم دیوار بنادی کہ یاجوج ماجوج کی قوم نہ کبھی اس دیوار کو چھلانگ سکتی ہے نہ ہی اس میں سوراخ بنا سکتی ہے۔

اس واقعہ میں خدمت خلق سے متعلق اہم گوشوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے:

۱ – شناسائی غیر شناسائی سب کی مدد کی جائے حتیٰ کہ ان لوگوں کی بھی مدد کی جائے جن کی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے۔

۲ – اپنی نصرت وامداد کی بنیاد حصول زر پر نہیں، بلکہ رضائے الٰہی پر رکھی جائے۔

۳ – مطلوبہ کام کی تکمیل میں اگر کسی کے تعاون کی ضرورت ہو تو دوسروں کے تعاون سے وہ کام انجام دیں، محض یہ سوچ کر پیچھے نہ ہٹیں کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا تو کیوں ہاتھ لگاؤں، کیوں کسی کو امید دلاؤں، بلکہ وہ مطلوبہ کام تنہا ہوسکے تو تنہا کر ڈالیں، ورنہ دوسروں کے

تعاون سے کریں، بہر صورت ہر ممکن طریقے پر دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں۔
۴ – جب بھی مدد کریں تو مکمل خلوص اور پوری دل جمعی کے ساتھ کریں، اور وہ کام کریں کہ رہتی دنیا تک کے لیے مثال بن جائے، دنیا میں آپ کے لیے سرمایۂ افتخار اور آخرت میں باعث نجات ہو۔

صحابۂ کرام اور خدمت خلق

قرآن کریم میں متعدّد مقامات پر صحابۂ کرام کا ذکر ہے، کہیں پر بیعت کا ذکر ہے، کہیں پر انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہے، کہیں پر جہاد کا ذکر ہے، کہیں پر عبادتوں کا ذکر ہے، اور کہیں پر آپ حضرات کی باہمی محبت و تعاون کا ذکر ہے، سورۃ الانفال میں آپ حضرات کے جذبۂ ہمدردی و خیر خواہی کا ذکر کچھ اس طرح ہے: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّاؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۔ یعنی جو لوگ ایمان لے آئے، جنھوں نے ہجرت کی، جنھوں نے راہ خدا میں جہاد کیا، اور جنھوں نے کسی کو پناہ دی اور اس کی مدد کی وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

خلاق اکبر نے اس آیت مبارکہ میں انصار و مہاجرین دونوں کا ذکر کیا، اور فرمایا یہی لوگ سچے مسلمان ہیں، یہ ان کے لیے دنیوی اعزاز ہے، اور اخروی اعزاز یہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے، اخروی ثواب بھی کتنا عظیم ہے کہ اس میں دفع مضرت بھی ہے اور جلب منفعت بھی، دفع مضرت گناہوں کی معافی ہے، اور جلب منفعت اجر عظیم سے سرفرازی ہے۔

انصار کا جذبۂ ایثار

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ ہجرت مدینہ

کے بعد حضور اکرم ﷺ نے انصار و مہاجر صحابہ کے درمیان عقد مواخات قائم فرمایا، اور مہاجرین کو انصار کا بھائی بنادیا، جس کے بعد انصار صحابہ نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایسا زبردست مظاہرہ کیا کہ تاریخ آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، خالق لم یزل عزوجل نے سورۃ الحشر میں انصار صحابہ کے جذبہ ایثار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﯼ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ جنھوں نے ہجرت سے قبل مدینہ کو اپنا مسکن بنالیا، جنھوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، اپنے دلوں میں اس مال کی محبت کو جگہ نہیں دیتے جس سے صرف مہاجرین کو نوازا گیا، یہ وہ لوگ ہیں جو خود ضرورت مند ہوتے ہیں پھر بھی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، اور جو بخل سے نجات پاگیا وہ کام یاب ہوگیا۔

اس آیت مبارکہ میں صحابہ کرام کی باہمی الفت و محبت، اور ان کے جذبۂ ایثار و خیر خواہی کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات اسی وقت پیدا ہوسکتے ہیں جب دل حرص وطمع اور لالچ و بخالت وغیرہ اخلاق کش صفات ذمیمہ سے پاک ہو۔ صحابۂ کرام کے جذبۂ ایثار کے تعلق سے مختلف واقعات کتب تفاسیر میں مذکور ہیں، مزید تفصیل کی گنجائش ہوتی تو ضرور بیان کرتا۔

قوافی اور مضامیں اچھے اچھے ہیں ابھی باقی
مگر بس بھی کرو نوری نہ پڑھنا بار ہوجائے

بہر کیف ہماری ذکر کردہ آیات واحادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ خدمت خلق اللہ جل شانہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہت ہی بڑا ذریعہ ہے، اسی لیے انبیا، صحابہ اور صالحین نے ہمیشہ خلق خدا کی دست گیری فرمائی، مظلوموں کی دادرسی کی، اور بندگان خدا کے ساتھ اخلاق، پیار اور محبت کا مظاہرہ فرمایا۔

اخیر میں اس بات کی بھی وضاحت کردوں کہ یہ سارے اعمال وافعال اسی وقت کار آمد ہوسکتے ہیں جب اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہوں، اپنی واہ واہی یا نجی مفادات کی حصول یابی کے لیے نہ ہوں۔ اس سلسلے میں صلحائے امت کا طرز عمل یہ رہا ہے: وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا۔ یعنی یہ لوگ اللہ کی محبت میں سرشار ہوکر یتیموں، مسکینوں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور اپنے محتاجوں سے کہتے ہیں کہ ہم تمھیں اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ اجر مانگتے ہیں نہ ہی شکریہ کا تقاضا کرتے ہیں۔

ہمیں بھی چاہیے کہ سنت الٰہیہ کو اپناتے ہوئے، اور مقربان بارگاہ یعنی انبیا ومرسلین، صحابہ اور عامۂ صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدمت خلق کو اپنا آئین حیات بنائیں، اور ہر ممکن طریقے سے دوسروں کی مدد کریں، بھوکوں کو کھانا کھلائیں، پیاسوں کو پانی پلائیں، ننگوں کو کپڑے پہنائیں، بیماروں کا علاج کرائیں، بے قصور قیدیوں کو رہائی دلائیں، ناخواندہ افراد کو تعلیم دیں، غریب بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے اسکول بنائیں، ان کی اعلیٰ تعلیم کا معقول بندوبست کریں، نادار بچے اور بچیوں کی شادی کا انتظام کریں، مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا تعاون کریں، مہاجر، بے گھر، معذور، یتیم، آسمانی اور زمینی بلاؤں میں گرفتار اور ناگفتہ بہ حالات کے شکار بندگان خدا کی مدد کو اپنے اوپر لازم کرلیں۔

اور کبھی بھی اس ناپاک خیال کو اپنے دل میں نہ آنے دیں کہ کسی کی مدد کرنے سے وقت ضائع ہوجاتا ہے یا بنتے کام بگڑ جاتے ہیں، بلکہ دوسروں کی مدد دنیا وآخرت میں کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے، سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: والله في عون العبد ما دام العبد في عون أخيه۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے اللہ کی مدد اس معاون بندے کے شامل حال ہوتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اپنے محبوب بندوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور خدمت خلق کو اپنا آئین حیات بنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

انبیاے کرام اور تربیت اولاد

اولاد اللہ رب العزت کی عظیم ترین نعمت ہے، شادی کے بعد ہر شخص کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہو، صاحب اولاد بنے، اور اپنی اولاد کو صحت منداور خوش حال دیکھے۔

جب تک اولاد نہیں ہوتی انسان اولاد کے لیے دعائیں کرتا ہے، ہر ممکن کوشش کرتا ہے لیکن جب اولاد ہوجاتی ہے تو یہ بھول جاتا ہے کہ اولاد کی تربیت کیسے کی جائے، اور ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے، آج کے درس میں آپ حضرات کو یہ بتانا چاہوں گا کہ انبیاے کرام کس طرح اپنی اولاد کی تربیت کیا کرتے تھے، اور اپنے رب سے ان کے لیے کیسی کیسی دعائیں مانگا کرتے تھے، تاکہ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی اولاد کی صحیح تربیت کریں، پھر ان سے نیک تمنائیں وابستہ کریں۔

تو آئیے ہم اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، قرآن کریم کی روشنی میں انبیاے کرام کی عائلی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں، اور تربیت اولاد کے حوالے سے ان کے بتائے ہوئے رہ نما اصول سے استفادہ کرتے ہیں۔ خالق لم یزل عزوجل سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۳۸ میں ارشاد فرماتا ہے: وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً۔ یعنی ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول مبعوث کیے، اور سب کو بیویاں اور اولاد عطا کی۔

آیت کریمہ کا واضح مطلب یہ ہوا کہ تقریبًا سبھی انبیاے کرام رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے اور صاحب اولاد ہوئے۔ غور فرمائیے کہ جنھوں نے ساری دنیا کو اخلاق و محبت اور اخوت و بھائی چارگی کا درس دیا ہو، اور پوری دنیا کو کام یاب اور بامراد زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا ہو وہ اپنے زیر سایہ پروان چڑھنے والی اولاد کے سلسلے میں کس قدر حساس اور پرعزم رہے ہوں گے، ہمارا وجدان کہتا ہے کہ تربیت اولاد کے باب میں اگر انبیاے کرام کے

عطاکردہ اصول نافذ کر دیے جائیں تو سیکڑوں پیچیدہ مسائل بآسانی حل ہو جائیں گے۔

تربیت اولاد کے حوالے سے جب انبیاے کرام کی مقدس زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں، اور قرآنی آیات کی روشنی میں ان کی ازدواجی اور عائلی زندگیوں پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاے کرام نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ فرمائی، ولادت سے پہلے اور ولادت کے بعد ان کے حق میں دعائیں کیں، ہر گام پہ ان کی صحیح رہ نمائی فرمائی، وقت ضرورت مفید مشوروں سے بھی نوازا، اور آخری لمحات میں ان کو دین حق پہ قائم ودائم رہنے کی وصیت فرمائی۔

آج کے درس میں ہم ان ہی تین گوشوں پر روشنی ڈالیں گے، یعنی یہ بتائیں گے کہ انبیائے کرام نے اپنی اولاد کے سلسلے میں کیا کیا دعائیں کیں، ان کی کیسی تربیت فرمائی، اور دنیا سے جاتے جاتے ان کو کن کن باتوں کی تلقین فرمائی۔

اولاد کے حق میں دعا

تربیت اولاد کے باب میں والدین پر سب سے پہلے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے دعائیں کریں، کیوں کہ والدین کی دعائیں اولاد کے حق میں ایسے ہی مقبول ہوتی ہیں جس طرح انبیا کی دعائیں امت کے حق میں مقبول ومستجاب ہوتی ہیں، مزید یہ کہ دعاؤں سے بہت سے لاینحل مسائل حل ہو جاتے ہیں، لہذا انسان کو ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیے، اور اس یقین کے ساتھ دعا کرنا چاہیے کہ دنیا وآخرت کی تقریبًا ساری کامیابیوں کا دارومدار دعا اور صرف دعا پر ہے۔

اور یہ سبق ہمیں انبیاے کرام کے طرز زندگی سے بھی ملتا ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد کے حق میں بھرپور دعائیں کیں، رو رو کر اپنے رب سے التجائیں کیں، رب کائنات نے اولاد کے حق میں ان کی دعاؤں کو قبول فرمایا، اور ان کی اولاد کو بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں

سورۂ ابراہیم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لیے اس طرح دعا فرمائی کہ: رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ اے اللہ! میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے قریب ایک ایسی وادی میں بسادیا ہے جس میں فصل نہیں ہوتی، خدایا! تو انھیں توفیق دے کہ یہ نماز قائم کریں، اور اپنے بندوں کے دل ان کی طرف مائل کردے، اور انواع واقسام کے پھل عطا فرما، تاکہ یہ تیرا شکر ادا کرتے رہیں۔

مزید یہ بھی دعا کی کہ: رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝۔ اے اللہ! مجھے اور میری بعض اولاد کو نمازی بنادے، اے اللہ! میری دعا سن لے، اے اللہ! بروز قیامت میری، میرے والدین کی اور جملہ مسلمانوں کی مغفرت فرما۔

اسی طرح سورۃ البقرہ میں آپ کی وہ مقبول ومستجاب دعائیں مذکور ہیں جو آپ نے تعمیر کعبہ کے دوران کیں، ان میں سے بعض دعائیں آپ کے فرزند دل بند حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق ہیں، اور وہ دعائیں یہ ہیں: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ اے اللہ! مجھے اور میرے فرزند اسماعیل کو اپنی طاعت وفرماں برداری پر ثابت قدم رکھ، اور ہماری نسل سے ایک اطاعت شعار جماعت پیدا فرما، اور ہمیں ہمارے دین کے احکام سے آگاہ فرما، اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لیے بالخصوص حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے بے پناہ دعائیں کیں، اور ان ہی دعاؤں کا نتیجہ

ہے کہ آج بھی ہمارے دل اپنے اندر حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کی بے پناہ عظمت اور غیر معمولی احترام لیے ہوئے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

حضرت ابراہیم کی طرح حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اپنی اولاد کے لیے بے پناہ دعائیں کیں، سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں آپ کی دعاؤں کا ذکر ہے، سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۳۸-۳۹ میں ہے: هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝۳۸ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹۔ حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت مریم کے پاس اپنے رب سے دعا کی، اور یوں دعا کی کہ اے میرے پرودگار! مجھے اپنے کرم سے نیک اولاد عطا فرما، بے شک تو دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ تو رب ذو الجلال نے ان کی دعا سن لی، اور جب وہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے تو حضرت جبرئیل امین نے پکار کر کہا کہ اللہ رب العزت آپ کو ایک ایسے فرزند کی بشارت دیتا ہے جس کا نام یحییٰ ہوگا، جو حضرت عیسیٰ مسیح کی تصدیق کرے گا، جو اپنی قوم کا سردار ہوگا، جو عورتوں سے کنارہ کش ہوگا، ان سب کے ساتھ ساتھ وہ نو مولود نبی ہوگا، اور خدا کے نیک اور مقرب بندوں میں ہوگا۔

اللہ اکبر! حضرت زکریا نے صرف ذریت طیبہ یعنی نیک اولاد کی دعا کی تھی، لیکن رب نے انھیں ایک ایسا فرزند عطا فرمادیا جو بیک وقت پانچ عظیم ترین صفات کا حامل تھا، اس دعا کی قبولیت کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ ایک نبی کی دعا تھی، اور ساتھ ہی ساتھ بیٹے کے حق میں باپ کی دعا تھی۔

اگر آج بھی والدین اپنی اولاد کے لیے دل سے دعا کریں تو کچھ عجب نہیں کہ ان کی دعاؤں کے اثرات نگاہوں کے سامنے ظاہر ہونے لگیں، لیکن آج دعاؤں سے زیادہ ظاہری

اسباب ووسائل پر بھروسہ ہے تو دل سے کہاں دعا نکلے گی؟ اور اس پر کون سے اثرات مرتب ہوں گے؟ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارا ایک بڑا طبقہ مقبول دعاؤں کے فیض سے محروم ہوتا چلا جارہا ہے۔

بات چل رہی تھی حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا کی، حضرت یحییٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت سے پہلے حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے اس ہونے والے فرزند کے حق میں ایک ایسی دعا کی جو ہر شخص کو اپنے حق میں اور اپنی اولاد کے حق میں ضرور کرنا چاہیے، وہ دعا یہ ہے کہ: وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ اے اللہ! تو اس ہونے والے بچہ سے راضی ہوجا۔

اللہ کی رضا کیا ہے، اسے رضائے الٰہی کے متلاشی ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۷۲ میں رضائے الٰہی کی حقیقت کچھ یوں بیان کی گئی ہے: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۠ اللہ کی معمولی سی رضا دنیا ومافیہا سے بڑھ کر ہے، رضاے الٰہی کو پالینا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے فرزند ارجمند کے لیے کیسی عظیم دعا فرمائی، آپ نے ایک ہی جملہ میں دونوں جہاں کی سعادتیں مانگ لیں، روز اول ہی سے دنیا وآخرت کی ساری بھلائیاں مانگ لیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا

حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اپنی اولاد کے حق میں دعا کی، آپ نے اپنے نافرمان بیٹوں کو معاف کردیا، اور ان سے رب کے حضور دعائے مغفرت کا وعدہ کیا، سورۂ یوسف میں ہے: قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائیوں نے اپنے والد بزرگوار

حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمارے لیے عفو ودرگذر کی دعا کردیں، یقیناً ہم نے آپ کے حق میں اور آپ کے دونوں فرزند حضرت یوسف وبنیامین کے حق میں بڑی غلطی کی، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمھارے لیے استغفار کروں گا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

صلحاے امت کی دعائیں

قرآن کریم نے انبیاے کرام کے علاوہ صلحاے امت کی دعاؤں کا بھی ذکر فرمایا ہے، اور اولاد کی صحیح تربیت کے سلسلے میں اللہ رب العزت کے حضور ان کی گریہ وزاری کو بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے، چناچہ سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی ماں حضرت مریم کی ولادت کے واقعات کچھ اس طرح مذکور ہیں: اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ اس وقت کو یاد کرو جب عمران کی بیوی نے کہا: مولیٰ! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ کا بچہ تیری بندگی کے لیے وقف ہے، تو اسے قبول فرما، بے شک تو ہی سننے اور جاننے والا ہے، جب بچی کی ولادت ہوئی تو عمران کی بیوی یوں عرض گزار ہوئی کہ مولیٰ! مجھے تو بچی ہوئی، خدا کو معلوم ہے کہ اسے بچی ہوئی، اور بچہ بچی کی طرح نہیں ہوسکتا، عمران کی بیوی نے کہا کہ میں نے اس بچی کا مریم رکھا، اور میں اس بچی کو اور اس کی ذریت کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

ان آیات کے مطابق حضرت عمران کی زوجہ نے ولادت سے پہلے ہی یہ طے کرلیا تھا کہ ہونے والے بچے کو اللہ کی بندگی اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے فارغ کردے گی، اسی لیے جب بچی کی ولادت ہوئی تو نام مریم یعنی عبادت گزار تجویز کیا، اور اپنے رب سے دعا کی کہ مولیٰ! میری اس بچی کو اور اس کی پوری ذریت کو شیطان رجیم سے محفوظ کردے۔

شاید ان ہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ رب ذوالجلال نے آپ کو صدیقہ بنادیا، اور آپ کو عیسیٰ مسیح جیسی واضح نشانی عطا فرمائی۔

عامۂ صالحین کے بارے میں ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے اس طرح دعائیں مانگا کرتے تھے: رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اے اللہ! ہماری بیویوں کے ذریعہ اور اولاد کے ذریعہ ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا، اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنادے۔

اس طرح قرآن پاک میں متعدّد مقامات پر انبیا اور صالحین کی دعاؤں کا ذکر ہے جو انھوں نے اپنی اولاد کے حق میں کیں، اور اپنے طرز عمل سے ہمیں اس بات کا درس دیا کہ اولاد کے حوالے سے ہمیشہ حساس رہنا اور ان کے حق میں دعائیں کرنا انبیا و مرسلین اور عامۂ صالحین کا طریقہ ہے۔

اولاد کی دینی تربیت

انبیائے کرام نے تربیت اولاد کے سلسلے میں صرف دعاؤں پہ اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ہمیشہ ان کی دینی رہ نمائی فرماتے رہے، اوران کو احکام شرع سے باخبر کرتے رہے، اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی سے مکمل اجتناب کرتے رہے، آئیے مختلف سورتوں سے اس کے کچھ شواہد ملاحظہ کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور تربیت اولاد

اللہ رب العزت سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرماتا ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔

آیت مبارکہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اس خاکدان گیتی پر تشریف لائے، اور نسل انسانی کو فروغ دینا مقصود ہوا تو نظام قدرت اور قانون

ازدواج یہ بناکہ حضرت حوا کے بطن سے ایک ساتھ دو بچے پیدا ہوتے، جن میں ایک لڑکی ہوتی اور دوسرا لڑکا، یہ دونوں آپس میں سگے بھائی بہن کی حیثیت رکھتے اس لیے آپس میں ان کا نکاح نا جائز و حرام ہوتا، اس وقت کوئی دوسرا خاندان بھی نہیں تھا، اس لیے نکاح کی بس یہی ایک صورت باقی تھی کہ ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی سے، اور دوسرے حمل کے لڑکے کا پہلے حمل کی لڑکی سے نکاح کر دیا جائے۔ اسی دستور کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن لیوداسے اور ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن اقلیما سے کرنا چاہا، لیکن قابیل اس قانون کے مطابق ہابیل کی بہن سے نکاح کو راضی نہ ہوا، بلکہ اپنی ہی بہن سے نکاح پر اڑ گیا، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے قابیل کو سمجھایا، حکم شرع سے آگاہ کیا، خدا کی سخت گرفت اور اس کے دردناک عذاب سے ڈرایا، اس پر بھی قابیل باز نہ آیا، اور اپنی ہی بہن سے نکاح پر مصر رہا تو آپ نے دونوں بھائیوں کو قربانی پیش کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہوگی وہی اقلیما سے نکاح کا حق دار ہوگا، پھر کیا تھا ہابیل کی قربانی مقبول ہوئی، اور اقلیما ان کے حصے میں آئی۔

قصہ بہت طویل ہے، مجھے صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے شریعت آدم کی خلاف ورزی کی تو آپ نے اپنے بیٹے کو سمجھایا، نہ مانا تو سخت موقف اختیار کرتے ہوئے قربانی پیش کرنے کا حکم دیا، تاکہ وہ اپنی غلط روی سے باز آجائے، اور حکم الٰہی کے مطابق نکاح کرے۔

ہمیں بھی چاہئے کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کتاب وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی تاکید کرتے رہیں، اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی سے مکمل گریز کریں۔

حضرت نوح علیہ السلام اور تربیت اولاد

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹے کو حق کی طرف بلایا، اور کفر وشرک سے تائب ہو کر توحید ورسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ سورۂ ہود کی آیت نمبر ۴۲ -

۴۳ میں ہے: وَ نَادٰی نُوۡحُ ۨابۡنَہٗ وَ کَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا وَ لَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دور کھڑے بیٹے کو پکار کر کہا کہ اے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہوجاؤ، اور کافروں کے ساتھ نہ رہو، لیکن بیٹے نے کہا کہ میں ایک ایسے پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے غرقاب ہونے سے بچالے گا، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج عذاب الٰہی سے کوئی نہیں بچ سکتا، سوائے ان افراد کے جن پر اللہ کا خصوصی فضل ہوگا، پھر باپ بیٹے کے درمیان موج حائل ہوگئی، اور آپ کا بیٹا غرقاب ہوگیا۔

ان آیات پہ غور کیجیے، حضرت نوح علیہ السلام نے آخری لمحات میں بھی اپنے بیٹے کی صحیح رہ نمائی فرمائی، کافروں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے ساتھ کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی، جب اس نے کٹ حجتی سے کام لیا تو سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ آج خدا کے غیظ وغضب اور اس کے قہر وجلال سے کوئی نہیں بچ سکتا، لیکن من یضلل اللہ فلا ھادي له۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اولاد کے حوالے سے والدین کو ہمیشہ حساس رہنا چاہئے، اور آخری لمحات میں بھی ان کی صحیح تربیت کی فکر کرنی چاہیے، آج ہمارے معاشرہ میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو اپنی اولاد کی جانب سے مکمل طور پہ مایوسی کا شکار ہیں، اور یہی کہتے پھرتے ہیں کہ ہم نے اپنے بچوں کو کئی بار سمجھایا، لیکن انھیں سمجھ میں نہیں آیا تو ہم نے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا، ایسے حضرات کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی مبارک زندگی نمونۂ عمل ہے کہ انھوں نے ساڑھے نو سو سال کی صبر آزما دعوت وتبلیغ کے بعد بھی سپر نہیں ڈالی، اور اس بات پر کامل یقین کے باوجود کہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: یّٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا وَ لَا تَکُنۡ مَّعَ الۡکٰفِرِیۡنَ۔ اے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ، اور کافروں کے ساتھ نہ رہو، ورنہ تباہ وبرباد ہو جاؤ گے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور تربیت اولاد

اب آئیے بچوں کے بعد بچیوں کی تربیت کے حوالے سے کچھ سنتے ہیں، سورۃ القصص میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے حوالے سے ہے: وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین پہنچے اور ایک چشمہ کے قریب فروکش ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو سیراب کررہے ہیں، اور دو بچیاں مردوں سے دور کھڑی اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قریب جاکر پوچھا کہ تم اپنے جانوروں کو سیراب کیوں نہیں کرتیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ پہلے دوسرے چرواہے اپنے جانوروں کو سیراب کرتے ہیں، پھر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان بچیوں کے حال زار پر ترس آیا، اور آپ نے بڑھ کر ان بچیوں کے جانوروں کو سیراب کردیا، جب بچیاں قبل از وقت جانوروں کو لے کر گھر پہنچیں، تو ان کے والد بزرگوار نے حقیقت حال جاننے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طلب فرمایا، تو آپ کی ایک بیٹی شرماتی ہوئی آئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگی کہ ابا حضور آپ کو یاد کر رہے ہیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: گھبرانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ آپ کو ظالموں سے نجات مل گئی ۔

اس واقعہ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے حوالے سے دو اہم باتیں

ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ کی دونوں بیٹیاں اپنی بکریوں کو سیراب کرنے کے لیے مردوں کے ہجوم میں داخل نہیں ہوتیں، بلکہ مردوں سے دور کھڑی انتظار کرتی ہیں، چاہے اس انتظار میں کتنی ہی تاخیر ہوجائے۔ اس واقعہ میں آپ کی بیٹیوں کے حوالے سے دوسری اہم بات یہ ذکر کی گئی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی والد بزرگوار کے حکم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور شرم وحیا کا نمونہ بن کر عرض کی کہ: اِنَّ اَبِیۡ یَدۡعُوۡكَ۔ ابا حضور آپ کو یاد کررہے ہیں۔

قربان جائیے، حضرت شعیب علیہ السلام کی بے مثال تربیت پر کہ آپ نے اپنی بیٹیوں کی اتنی عمدہ تربیت فرمائی کہ آپ کی صاحبزادیاں کام میں تاخیر گوارا کرسکتی ہیں، لیکن غیر مردوں سے اختلاط گوارا نہیں کرسکتیں۔ بربنائے مجبوری گھر سے باہر نکلتی ہیں لیکن شرم وحیا اور عفت وپاک دامنی کا پیکر بن کر نکلتی ہیں، شاید اسی عمدہ تربیت کا نتیجہ تھا کہ رب کائنات نے آپ کی ایک بیٹی کو اپنے جلیل القدر پیغمبر کلیم طور سینا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے منتخب فرمایا۔

حضرت لقمان اور تربیت اولاد

قرآن کریم نے تربیت اولاد کے سلسلے میں انبیاے کرام کے علاوہ صلحائے امت کی نصیحتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے، اس باب میں حضرت لقمان کی نصیحتیں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں، سورۂ لقمان میں آپ کی نصیحتیں کچھ اس انداز سے ذکر کی گئی ہیں: وَ اِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَىَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۳﴾۔ اس وقت کو یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

مزید فرمایا: يٰبُنَىَّ اِنَّهَاۤ اِنۡ تَكُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَكُنۡ فِىۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِى السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِى الۡاَرۡضِ يَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَىَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَانۡهَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاصۡبِرۡ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمۡشِ فِى الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ

فَخُوْرٍ ۝۱۸ وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۔ بیٹے! رائی کے دانے کے برابر نیکی یا بدی کسی چٹان میں ہو، آسمانوں میں ہو، یا زمین میں ہو، اللہ سب کو حاضر کردے گا، بے شک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ بیٹے! نماز قائم کرو، بھلائی کا حکم دو، برائی سے روکو، اور اس سلسلے میں درپیش مصیبتوں پر صبر کرو، بے شک یہ عزیمت کے کام ہیں۔ از راہ تکبر لوگوں سے چہرہ مت پھیرو، زمین پہ اتراتے ہوئے مت چلو، بے شک اللہ اترانے والوں کو اور تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ میانہ روی اختیار کرو، اور اپنی آواز کو پست رکھو، بے شک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

ان آیات بینات کے مطابق حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق بیش قیمت نصیحتوں کا خوب صورت تحفہ پیش کیا، اپنے بیٹے کو کفر و شرک سے دور ونفور رہنے کی تعلیم دی، نماز قائم کرنے کی تعلیم دی، بھلائی کی دعوت دینے، اور برائی سے روکنے کی تعلیم دی، اور دعوت و تبلیغ کی خار دار راہوں میں سراپا عزیمت و اخلاص بنے رہنے کی تعلیم دی، تکبر کرنے اور اترانے سے منع کیا، درمیانی چال چلنے اور آواز کو پست رکھنے کی حکم دیا۔

یہ وہ گراں قدر نصیحتیں ہیں جن پے عمل کرنے والوں کی دنیا بھی کامیاب ہو سکتی ہے اور آخرت بھی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ اور تربیت اولاد

رب کائنات نے تربیت اولاد کے باب میں اپنے محبوب پاک صاحب لولاک ﷺ کے بے مثال کردار کا بھی ذکر فرمایا ہے، سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۹ میں ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ اے محبوب! اپنی بیویوں کو، بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو اس بات کا حکم دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ منھ پر ڈالیں، اس سے وہ پہچان میں آجائیں گی تو تکلیف سے دوچار نہیں ہوں گی، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت کی ترتیب پر غور فرمائیے پہلے آپ کے حریم عفت میں رہنے والی ازواج

مطہرات کا ذکر ہے، پھر آپ کی صاحبزادیوں کا ذکر ہے، پھر مسلمانوں کی عورتوں کا ذکر ہے،اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ پردہ کا خصوصی اہتمام سب سے پہلے آپ کے گھر سے شروع ہوا، پھر آپ کی صاحبزادیوں سے ہوتے ہوئے سارے مسلم گھرانوں میں عام ہوا۔

آج ہمیں بھی ضرورت ہے اس بات کی کہ دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں، دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ بزرگان دین سے منقول ہے کہ جو انسان دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ اپنی ذات کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا، اور جو اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو وہ اپنے رب کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا، لہذا اپنی ذات کی طرف متوجہ ہونے کے لیے دوسروں سے غافل ہونا ہوگا، اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے کے لیے اپنے آپ کو فراموش کرنا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ اور تربیت اولاد کے عنوان سے مفصل گفتگو ہماری کتاب حسن سلوک میں ملاحظہ فرمائیں۔

آخری عمر میں اولاد کو وصیت

شروع میں ہم نے بیان کیا کہ انبیاے کرام نے اولاد کے لیے دعائیں کیں، ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کی، اور دنیا سے جاتے جاتے ان کو دین میتن پر قائم رہنے کی وصیت بھی فرمائی۔ اولاد کے سلسلے میں انبیاے کرام کی دعا اور تربیت کے بعد اب آئیے ان کی ایک زبردست وصیت بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۳۲ میں ہے: وَ وَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما الصلاۃ والسلام نے اپنی اولاد کو ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی، اور فرمایا کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے، لہٰذا اخیر وقت تک اسی دین پر قائم رہو۔

آج ہم بھی اپنی اولاد کی فکر کرتے ہیں، لیکن ان کی معاشی اور اقتصادی خوشحالی اور دنیوی

ترقی کی فکر کرتے ہیں، ہماری پیش کردہ آیات کی روشنی میں آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ انبیاے کرام دنیوی تعمیر وترقی سے زیادہ اخروی کامیابی کی فکر کیا کرتے تھے، ہمیں بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی اور اپنی اولاد کی دنیوی اور اخروی کامیابی کی فکر کرنی چاہیے۔

اخیر میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بعض حضرات تربیت اولاد کے حوالے سے یکسر بے توجہی برتتے ہیں، اور جب انھیں تنبیہ کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ابھی ان بچوں کی عمر ہی کیا ہے؟ رفتہ رفتہ سب کچھ سیکھ جائیں گے۔

بلا شبہ بڑھتی عمر کے ساتھ عقل بھی پختہ ہوتی ہے، اور گرد وپیش کے ماحول سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے، لیکن اولاد کی تربیت والدین کا فرض منصبی ہے، علاوہ ازیں کم سنی کی تربیت اور گھریلو ماحول کے اثرات زندگی کے آخری لمحے تک ساتھ نہیں چھوڑتے، اسی لیے کم عمری سے اولاد کی تربیت پر خصوصی توجہ دینا والدین کے لیے لازم وضروری ہے، کہتے ہیں کہ اولاد کے لیے والدین کا سب سے قیمتی تحفہ ان کی صحیح تعلیم وتربیت ہے۔

جس طرح صحیح تربیت سے اولاد اور ان کے والدین کو فائدہ پہنچتا ہے بالکل اسی طرح تربیت کے سلسلے میں تساہلی اولاد کے ساتھ ساتھ والدین کے لیے بہت بڑے نقصان کا باعث بن جاتی ہے، کیوں کہ والدین کو اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت ہوتی ہے، اور محبت کسی بھی انسان کو اندھا اور بہرا بنادیتی ہے، اور غیر شعوری طور پر اپنے محبوب کی عادات واطوار کو اپنانے پر مجبور کردیتی ہے۔

بارہا ایسا دیکھنے کو ملتا ہے کہ لوگ اپنی اولاد کی شرارتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ان کی دل جوئی کے لیے ان کی نقل کرتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ ان کی قابل گرفت عادتیں والدین میں منتقل ہوجاتی ہیں، یہ کوئی مفروضہ نہیں، بلکہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، اللہ رب العزت سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۸۰-۸۱ میں ارشاد فرماتا ہے: وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًاۚ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا﴿۸۱﴾۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت خضر نے ایک بے قصور بچے کو قتل کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ السلام نے فرمایا: اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا۔ ایک بے قصور بچے کو نا حق کیوں قتل کر دیا، تم نے بہت غلط کیا۔

اس پر حضرت خضر نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اس بچے کے والدین تو مسلمان ہیں لیکن یہ کافر ہے، تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ کافر بچہ اپنے مسلمان والدین کو سرکشی اور کفر میں مبتلا نہ کر دے، اسی لیے ہم نے اس بچے کو بحکم الٰہی قتل کر دیا، اور اس امید پر قتل کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کافر بچے کے والدین کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی صحیح نہ کرنے سے صرف اولاد کا نہیں بلکہ والدین کا بھی نقصان ہوتا ہے، اور ان کی صرف دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت بھی برباد ہو سکتی ہے، غور فرمائیں کہ جب اولاد کی محبت میں نیکو کار مسلمان بگڑ سکتے ہیں، سرکشی پر آمادہ ہو سکتے ہیں، اور اس سے بھی آگے کفر و شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو عام مسلمانوں کا حال کیا ہوگا؟

جب اولاد کی دینی تربیت نہیں ہوتی تو ان کی گود میں پروان چڑھنے والے بچے بھی عموماً بے دین ہو جاتے ہیں، سورۂ نوح کی آیت نمبر میں حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ دعا مذکور ہے: وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ ۔ اے پروردگار! روئے زمین پہ کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ، اگر تو نے انھیں زندہ چھوڑا تو یہ تیرے دوسرے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور ان کی اولاد بھی فاجر اور ناشکر گزار ہوگی۔

یہ کوئی ضروری نہیں کہ مسلمان کے گھر مسلمان اور کافر کے گھر کافر ہی پیدا ہو، بلکہ بسا اوقات اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، یعنی مسلمان کے گھر میں کافر اور کافر کے گھر میں مسلمان پرورش پاتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر تھا۔ حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویاں کافرہ تھیں۔ جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرست چچا کے ساتھ زندگی کا بیش تر حصہ گزارا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے

گھر پرورش پائی۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ مومنہ تھیں۔

البتہ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے عموماً بچے اپنے والدین کے نقش قدم پر چلتے ہیں، ان کے دین ومذہب کے پابند ہوتے ہیں، ان ہی کی عادات واطوار کو اپناتے ہیں، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ یعنی یہ کفر وشرک میں اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ ان سے تو کجا ان کی نسلوں سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ یہ فسق وفجور اور کفر وشرک سے دور ونفور رہیں گے۔

یہ تربیت میں کوتاہی کا نتیجہ ہے، اس کے بجائے اگر اولاد کی صحیح تربیت کی گئی تو یہی بچے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے، دنیا میں نیک نامی کا باعث بنیں گے، آخرت میں ذریعۂ نجات اور سامان مغفرت بنیں گے، اور ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی برکتوں سے کئی نسلیں فیض یاب ہوں گی، سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۸۲ میں ہے: وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔

حضرت خضر نے گرتی دیوار کھڑی کر دی، اور اس کی وجہ یہ بتائی یہ دیوار بستی کے دو ایسے یتیم بچوں کی تھی جن کے والد نیک اور پرہیز گار تھے، اس دیوار کے نیچے ان بچوں کا خزانہ تھا، رب نے چاہا کہ وہ بچے بڑے ہوکر خزانہ نکال لیں، اور اپنی ضروریات پوری کریں، اسی لیے رب تعالیٰ کے حکم سے آپ نے دیوار سیدھی کر دی۔

اس واقعہ میں دیکھیں کہ اللہ رب العزت نے نیک باپ کے صدقے اولاد کے خزانہ کی حفاظت فرمائی، اور حضرت خضر جیسے مقبول بارگاہ بندے کو ان کی خدمت پر مامور کر دیا۔

عزیزان گرامی! یہ تھی انبیاے کرام اور تربیت اولاد کے سلسلے میں کچھ اہم اور مفید معلومات، اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہم سب کو انبیاے کرام اور اولیاے عظام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

اسلامی رشتۂ اخوت اہمیت اور تقاضے

خالق لم یزل عزوجل سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۠ یعنی سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اگر دو مسلمان بھائیوں میں اختلاف ہوجائے، دوریاں پیدا ہوجائیں، قطع تعلق کی نوبت آجائے تو انھیں ان کے حال پر نہ چھوڑو، بلکہ ان میں مصالحت کرادو، حقوق العباد اور بھائیوں کے سلسلے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اس امید پر کہ اللہ رب العزت تم پر رحم فرمائے گا۔

اس آیت مبارکہ سے بنیادی طور پہ دو اہم باتیں معلوم ہوئیں۔ایک یہ کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، خواہ وہ کسی بھی علاقہ کے ہوں، کسی بھی زمانے کے ہوں، اور کسی بھی طبقہ کے ہوں، یعنی اگر وہ مسلمان ہیں تو پھر آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اسلامی رشتۂ اخوت بندوں کا نہیں، بلکہ اللہ رب العزت کا قائم کردہ رشتہ ہے، اسی لیے اس رشتۂ محبت کو نہ کوئی انسانی طاقت ختم کرسکتی ہے، اور نہ ہی کوئی شیطانی سازش ناکام بنا سکتی ہے، بلکہ تمام تر اختلافات کے باوجود یہ اسلامی رشتۂ اخوت و محبت برقرار رہتاہے، اور رہ رہ کر مسلمانوں کو احساس دلاتا رہتا ہے کہ تم جس سے بدظن ہو، جس سے قطع تعلق کر رہے ہو، جس کے درپے آزار ہو وہ کوئی غیر نہیں بلکہ تمھارا بھائی ہے، لہٰذا آپسی اختلافات کو پس پشت ڈال کر اپنے بھائی سے ہاتھ ملالو، اور شیرو شکر بن کر زندگی گزارو۔

آج ہم اپنی تقریر میں ان ہی دو باتوں پر روشنی ڈالیں گے،اور اگر وقت اجازت دے تو اسلامی رشتۂ اخوت کی اہمیت اور اس کے تقاضے بھی بیان کریں گے۔

آیت مبارکہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، پہلی بات یہ ہے

کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور اس رشتۂ اخوت و محبت کو نہ صدیوں کی دوریاں مٹا سکتی ہیں، نہ زمینی فاصلے ختم کرسکتے ہیں، اور نہ ہی طبقاتی امتیازات متاثر کرسکتے ہیں، قرآنی آیات ہمارے اس دعوے پر شاہد عدل ہیں۔

مختلف زمانوں میں پیدا ہونے والے افراد کے مابین اسلامی رشتۂ اخوت و محبت قائم رہنے پر دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۹ میں انصار ومہاجر صحابہ کا تذکرہ فرمایا، ان کے جذبۂ ایثار وخیر خواہی اور باہمی محبت وہمدردی کی مدح فرمائی، پھر اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰۔ یعنی صحابہ کے بعد صبح قیامت تک آنے والے مسلمان اپنے رب عزوجل کے حضور یوں عرض کرتے ہیں، کہ اے اللہ! ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کی سلامتی کے ساتھ گزر گئے، اے اللہ! ہمارے دلوں سے مسلمانوں کے حق میں کینہ نکال دے، اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ کے مطابق صحابۂ کرام کے بعد سے صبح قیامت تک آنے والے مسلمان صحابہ کے حق میں دعا کرتے ہیں، اور انھیں اپنا بھائی کہہ کر یاد کرتے ہیں، یعنی صحابۂ کرام بعد والوں کے لیے اور بعد والے صحابۂ کرام کے لیے بھائی ہیں، اسلاف اخلاف کے لیے اور اخلاف اسلاف کے لیے بھائی ہیں، متقدمین متاخرین کے لیے اور متاخرین متقدمین کے لیے بھائی ہیں، پتہ چلا کہ صدیوں کی دوریاں اسلامی رشتۂ اخوت و محبت کی راہ میں کبھی بھی حائل نہیں ہوسکتیں۔

اسی آیت مبارکہ سے دوسری بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ زمینی فاصلے بھی اسلامی رشتۂ اخوت و محبت کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتے، کیوں کہ صحابۂ کرام جزیرۃ العرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتے تھے، یوں ہی ان کے بعد آنے والے مسلمان

دنیا کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب کے باوجود قرآن کریم نے سب کو ایک رشتۂ اخوت میں منسلک کردیا، سب کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا، ایک دوسرے کے حق میں دعا کی تعلیم دی، اور اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ زمینی فاصلے مسلمانوں کے دلوں میں فاصلے نہیں بناسکتے، اور اسلامی رشتۂ اخوت و محبت کو متزلزل نہیں کرسکتے۔

اس کی ایک اور جیتی جاگتی مثال ہجرت مدینہ کے بعد انصار ومہاجرین کے درمیان ہونے والا عقد مواخات ہے، کہ جس میں سرور کائنات ﷺ نے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے مکہ کے مہاجر صحابہ کو مدینہ کے انصار صحابہ کا بھائی بنادیا، اور امت مسلمہ کو اس حقیقت سے آگاہ فرمادیا کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اگرچہ وہ مختلف قبائل سے وابستہ ہوں، اور جداگانہ علاقوں سے تعلق رکھتے ہوں۔

جس طرح مختلف زمانوں میں پیدا ہونے والے اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، بالکل اسی طرح مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے مسلمان بھی آپس میں بھائی بھائی ہیں، میں اس کے اثبات کے لیے صرف دو آیتیں پیش کرکے آگے گزر جانا چاہوں گا۔

دور جاہلیت کی بات ہے کہ لوگ یتیموں کے مال پر ناجائز قبضہ کرلیتے تھے، اور اس میں جس طرح چاہتے تصرف کرتے، کبھی اپنے ردی مال کو ان کے عمدہ مال سے بدل لیتے، کبھی ان کے مال کو اپنے مال میں ضم کرکے استعمال کرتے، اور انھیں ضرر پہنچاتے، کبھی کسی یتیم بچی کے مال پر قبضہ کے لیے خود بلا مہر نکاح کرلیتے، یا ان سے اپنے بیٹوں کا نکاح کردیتے، اور مہر ادا نہیں کرتے، رب کائنات نے ان تمام ظالمانہ تصرفات کو ہمیشہ کے لیے منع کرتے ہوئے سورۃ النساکی دوسری آیت میں فرمایا: وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤی اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا۔ یعنی یتیموں کے مال کی حفاظت کرو، سن بلوغ میں قدم رکھتے ہی یتیموں کو ان کا مال لوٹادو، اپنے ردی مال کو ان کے عمدہ و نفیس مال سے نہ بدلو، ان کے مال کو اپنے مال میں ملاکر نہ کھاؤ،

بلا شبہ یہ کام بہت بڑے گناہ کا باعث ہے، اور ایسے گناہوں کے مرتکب کان کھول کر سن لیں کہ وہ یتیم کے مال کی شکل میں جہنم کی آگ سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں، اسی سورۃ النسا کی آیت نمبر ۱۰ میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾۔ یعنی جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں، لہٰذا ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ یتیموں کے مال میں کسی بھی قسم کے تصرف سے گریز کرے، سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۵۲ میں فرمایا: وَ لَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ۔ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر حسن نیت اور جذبۂ خیر خواہی کے ساتھ۔

جب یتیموں کے مال کے سلسلے میں یہ سخت تاکیدی احکام نازل ہوئے، اور ان کے مال میں کسی بھی قسم کے تصرف سے روک دیا گیا تو صحابۂ کرام خورد و نوش اور دیگر معاملات میں حد درجہ احتیاط برتنے لگے، ان کے پیسوں کا حساب الگ رکھتے، ان کے لیے علاحدہ سامان خریدتے، ان کے لیے علاحدہ کھانا تیار کرتے، مختصر ایں کہ کھانے پینے اور پیسوں کے سارے معاملات الگ کر دیے، نوبت بایں جا رسید کہ یتیم کے مال سے بنایا گیا کھانا صرف یتیم ہی استعمال کرتا، اگر کچھ بچ جاتا تو دوسرے وقت کے لیے محفوظ کر لیا جاتا، اگر سلامت رہے تو باسی، سڑ جائے تو برباد، یہ صورت حال یتیم اور ان کے کفیل دونوں کے لیے انتہائی تشویش کا باعث تھی، اسی لیے صحابۂ کرام نے سرکار دوعالم ﷺ سے یتیموں کے سلسلے میں واضح حکم دریافت کیا، تو وحی آئی کہ: وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡیَتٰمٰی ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّہُمۡ خَیۡرٌ ؕ وَ اِنۡ تُخَالِطُوۡہُمۡ فَاِخۡوَانُکُمۡ ؕ۔ یہ لوگ یتیموں کے بارے میں آپ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیں کہ ان کی اصلاح و خیر خواہی اچھی چیز ہے، اور اگر ان کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنا چاہو تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔

اس آیت مبارکہ نے انتہائی واضح لفظوں میں بیان کر دیا کہ وہ یتیم جس کی معاشرہ میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی، وہ نہ صرف یتیموں کا بلکہ دوسرے تمام مسلمانوں کا بھائی ہے، حتی

کہ اس کفیل کا بھی بھائی ہے جس کے زیر سایہ وہ زندگی گزار رہا ہے، پتہ چلا کہ یتیمی اور کس مپرسی اسلامی رشتۂ اخوت و محبت کی راہ میں حد فاصل نہیں بن سکتی، لہٰذا سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اگرچہ ایک اعلیٰ درجہ کا ہو اور دوسرا ادنیٰ درجہ کا۔

انسانی معاشرہ میں یتیم سے زیادہ بری پوزیشن غلام کی ہوتی ہے، کیوں کہ بسا اوقات یتیم کسی صاحب ثروت باپ کا بیٹا ہوتا ہے، یا مال دار گھرانے کا فرد ہوتا ہے، جس کے بہ سبب اس کی ایک حیثیت ہوتی ہے، جب کہ غلام کسی شی کا مالک نہیں ہوتا، اس لیے معاشرہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اس کے باوجود قرآن کریم نے غلام کو اپنے آقا کا اور ساری امت مسلمہ کا بھائی قرار دیا، چناں چہ اللہ رب العزت سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵ میں ارشاد فرماتا ہے: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ۔

اس آیت مبارکہ کا پس منظر یہ ہے کہ قدیم زمانے میں لوگ کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیتے تھے، پھر اس متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے پر سگے بیٹے کے احکام جاری کردیا کرتے تھے، اس متبنیٰ کو میراث میں حصہ دار مانتے، اس کی مطلقہ سے بعد عدت نکاح کو معیوب جانتے، بلکہ اس متبنیٰ کو اس کے حقیقی باپ سے منسوب کرنے کے بجائے پرورش کرنے والے باپ کی طرف منسوب کرکے پکارتے تھے، جس کا سب سے بڑا نقصان خلط نسب کی شکل میں سامنے آسکتا تھا، اللہ رب العزت نے اس غلط رسم کو ختم کرنے اور ہر شخص کو اس کے حقیقی باپ سے منسوب کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ۔ ان کو ان کے حقیقی باپ سے منسوب کرکے پکارو، اللہ کے نزدیک یہی انصاف کی بات ہے، اور اگر تمھیں ان کے باپ کا نام معلوم نہ ہو تو پھر وہ تمھارے غلام اور بھائی ہیں۔

قربان جائیے اس رشتۂ اخوت پر کہ جس نے رنگ ونسل کی دیواریں ڈھادیں، جس نے خود ساختہ امتیازی حیثیتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا، اور فرمایا کہ غلام صرف

غلاموں ہی کا نہیں بلکہ اپنے آقا کا بھی بھائی ہے،اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا بھی بھائی ہے۔

ان آیات مبارکہ کو سننے کے بعد آپ کو بجا طور پہ محسوس ہو گیا ہو گا کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں،خواہ وہ کسی بھی علاقہ کے ہوں، کسی بھی زمانے کے ہوں، اور کسی بھی طبقہ کے ہوں، یعنی اگر وہ مسلمان ہیں تو پھر آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضرات گرامی! یہ تو آیت مبارکہ سے مستفاد ہونے والی پہلی اہم بات تھی۔ اب آیئے دوسری اہم بات کی طرف کہ اسلامی رشتۂ اخوت بندوں کا نہیں بلکہ اللہ رب العزت کا قائم کردہ رشتہ ہے، اسی لیے اس رشتۂ محبت کو نہ کوئی انسانی طاقت ختم کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی شیطانی سازش ناکام بنا سکتی ہے،بلکہ تمام تر اختلافات کے باوجود یہ اسلامی رشتۂ اخوت ومحبت برقرار رہتا ہے۔

ہمارے معاشرہ کی یہ عام سی بیماری ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ناراض ہوتا ہے تو دونوں میں دوریاں پیدا ہو جاتی ہیں، دونوں ایک دوسرے کے بدخواہ ہو جاتے ہیں،سامنے ایک دوسرے کی تحقیر کرتے ہیں، پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کرتے ہیں، دوسروں کے سامنے اپنے قدیم دوست کے عیوب اچھالتے ہوئے نہیں تھکتے، کیوں کہ وہ تصور کرتے ہیں کہ جب تک دوستی تھی ہمدردی اور خیر خواہی ضروری تھی، جب تک تعلقات برقرار تھے اخوت وبھائی چارگی اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا لازم وضروری تھا،اب جب کہ دوستی ہی نہیں تو کہاں کی محبت اور کیا اس کے تقاضے؟

لیکن اسلام میں اس ابن الوقتی نظریے کی کوئی گنجائش نہیں،قرآن کریم کے مطابق ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے،خواہ دونوں آپس میں دوست ہوں یا دشمن،کتاب وسنت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ شخص بھی ہمارا بھائی ہے جس سے ہم نے قطع تعلق کر لیا،وہ بھی ہمارا بھائی ہے جو ہم پہ دست درازی کرے،وہ بھی ہمارا بھائی ہے جس کی ہم غیبت کرتے نہیں تھکتے، بلکہ وہ بھی ہمارا بھائی ہے جس کے خون سے ہمارے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں،یعنی قاتل ومقتول آپس میں بھائی بھائی ہیں،یوں ہی قاتل اور مقتول کے

ورشتہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ہم یہاں اس اجمال کی قدرے تفصیل کریں گے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کریں گے کہ قطع تعلق، غیبت و چغلی، ظلم وزیادتی حتی کہ قتل وغارت گری کے باوجود یہ مقدس رشتہ متاثر نہیں ہوتا۔

قطع تعلق کرنے والے آپس میں بھائی بھائی ہیں

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام[۲۱]۔ یعنی کسی مسلمان کو اس بات کی اجازت ہی نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ مدت تک کے لیے قطع تعلق کرلے، بایں طور کہ ملاقات تو ہو لیکن بات چیت نہ ہو، ملاقات تو ہو لیکن گفت وشنید نہ ہو، مزید فرمایا کہ ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے، اور نفرتوں کی بنیادوں کو ڈھاکر محبتوں کا محل تعمیر کرے، یعنی اپنے کردار وعمل سے اس بات کو واضح کردے کہ:

اگر تمھاری انا ہی کا ہے سوال تو پھر
چلو میں ہاتھ بڑھاتا ہوں دوستی کے لیے

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واضح لفظوں میں بیان فرمادیا کہ عملاً قطع تعلق کے باوجود اسلامی رشتۂ اخوت ومحبت منقطع نہیں ہوتا، بلکہ عداوت ونفرت کے ایام میں بھی ویسے ہی برقرار رہتا ہے جس طرح اخوت ومحبت کے ایام میں برقرار تھا، لہذا دانش مندی تو یہ ہے کہ نفرتوں کو بھلا کر دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے۔

---

(۲۱) - امام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم الہجر، ج:۲، ص:۳۱۶۔

ظالم و مظلوم آپس میں بھائی بھائی ہیں

بخاری شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصر أخاك ظالما أو مظلوما[۲۲]۔ یعنی اپنے ظالم ومظلوم بھائی کی مدد کرو، صحابہ نے عرض کی، مظلوم بھائی کی مدد تو واضح ہے، ظالم بھائی کی مدد کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: اسے ظلم سے روک دو،یہی اس کی مدد ہے۔

اس حدیث پاک میں ظالم و مظلوم دونوں کو بھائی قرار دیا گیا، مظلوم کی طرح ظالم کی مدد کی تلقین کی گئی، البتہ ظالم کی مدد نوعیت مظلوم کی مدد سے مختلف ہوگی، وہ یہ کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے، اور مظلوم کے معاملے میں اللہ کے انتقام سے ڈرایا جائے، اور ظالم کے لیے اس کے دینی بھائیوں کا سب سے عظیم تحفہ یہی ہے۔

قاتل و مقتول آپس میں بھائی بھائی ہیں

اسلامی رشتۂ اخوت و محبت کے سلسلے میں قرآنی آیات پہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے قاتل و مقتول کو، یوں ہی قاتل اور مقتول کے ورثہ کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے، اللہ رب العزت سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۷۸ میں فرماتا ہے: فَمَنۡ عُفِیَ لَہٗ مِنۡ اَخِیۡہِ شَیۡءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیۡہِ بِاِحۡسَانٍ۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ کو تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، چاہیں تو قاتل سے قصاص لیں، چاہیں تو معاف کردیں اور اگر چاہیں تو دیت پہ راضی ہوجائیں، اور اگر مقتول کے ورثہ دیت پر راضی ہوجائیں تو باہمی اتفاق رائے سے طے شدہ دیت سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں، اور تقاضا بھی نرمی اور بھلائی کے ساتھ ہو، یوں ہی قاتل پر لازم وضروری ہے کہ بغیر کسی کمی بیشی کے صحیح طور پہ دیت ادا کرے۔

---

(۲۲) - امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب الاکراہ، ج:۲، ص:۱۲۸۔

اس آیت مبارکہ میں اولیائے مقتول کو قاتل کا بھائی قرار دیا گیا، فرمایا: فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ. جس قاتل کو اس کے بھائی یعنی ولی مقتول کی جانب سے کچھ معافی ملی، اور قصاص کے بجائے دیت پر مصالحت ہوگئی تو وہ دیت کے مطالبہ میں اور قاتل دیت کی ادائیگی میں حسن سلوک کا مظاہرہ کرے۔

ہماری پیش کردہ آیات واحادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اسلامی رشتۂ اخوت بندوں کا نہیں بلکہ اللہ رب العزت کا قائم کردہ رشتہ ہے، اسی لیے اس رشتۂ محبت کو نہ کوئی انسانی طاقت ختم کر سکتی ہے اور نہ کوئی شیطانی سازش ناکام بنا سکتی ہے، بلکہ یہ اسلامی رشتۂ اخوت ومحبت تمام تر اختلافات کے باوجود برقرار رہتا ہے۔

یاد رہے کہ غیبت کرنے والوں کو، قطع تعلق کرنے والوں کو بلکہ ظلم وزیادتی اور قتل وغارت گری کرنے والوں کو بھائی سے تعبیر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے جرائم پیشہ افراد کو بتایا جا سکے کہ تم نے جس سے قطع تعلق کر رکھا ہے وہ تمھارا ہی بھائی ہے، لہٰذا اس سے تعلقات استوار کرو، تم نے جس کو اپنے ظلم وتشدد کا نشانہ بنا رکھا ہے وہ بھی تمھارا بھائی ہے، لہٰذا تم اس سے نہ صرف معافی مانگو، بلکہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کا عزم کرو، تم نے جس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے وہ بھی تمھارا بھائی ہے، لہٰذا دیت کے معاملے میں اپنے مقتول کے ورثہ کے شرعی مطالبے پورے کرو۔

عزیزان گرامی! یہ ہے اسلامی رشتۂ اخوت ومحبت جو اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث دنیا کے دوسرے تمام رشتوں پر مختلف جہتوں سے فوقیت رکھتا ہے۔

۱ - دنیا کے دوسرے تمام رشتے خاندان، قبیلہ اور علاقہ تک محدود رہتے ہیں، جب کہ اسلامی رشتۂ محبت پوری اسلامی دنیا کو محیط ہوتا ہے۔

۲ - دنیا کے بیش تر رشتے مثلاً رشتۂ ازدواج، رشتۂ مصاہرت وغیرہ توڑنے سے ٹوٹ جاتے ہیں، جب کہ اسلامی رشتۂ اخوت ومحبت کسی صورت میں نہیں ٹوٹتا۔

۳ - دنیا کے دوسرے رشتے رنگ ونسل اور علاقائیت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں،

جب کہ اسلامی رشتۂ الفت و محبت دین ومذہب کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

۴ - دنیا کے دوسرے رشتے بندوں کی کوششوں سے قائم ہوتے ہیں، جب کہ اسلامی رشتۂ الفت و محبت بندوں کا نہیں بلکہ اللہ رب العزت کا قائم کردہ رشتہ ہے۔

اسلامی رشتۂ الفت و محبت کیا چیز ہے اسے رب ذوالجلال نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ میں یوں بیان فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو، اسلامی تعلیمات پر سختی سے کار بند رہو، تفرقہ بازی سے بچو، اور یاد کرو کہ اللہ نے تم پر احسان عظیم فرمایا، طویل ترین دشمنی کے بعد اس نے تمھارے دلوں میں نفرت کی جگہ محبت ڈال دی، اس کے فضل وکرم سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

اس محبت کی قدر وقیمت کیا ہے اسے سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۶۳ میں یوں بیان فرمایا: وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ اللہ نے اپنے فضل خاص سے ان کے دلوں میں محبت ڈال دی، اگر تم ساری دنیا کی دولت لگا کر ان کے دلوں کو ملانے کی کوشش کرتے تب بھی نہیں ملا پاتے، لیکن اللہ نے ان دلوں کو ملا دیا، اور ان میں باہمی محبت ڈال دی۔

ان آیات کریمہ کے مطابق مسلمان بھائیوں سے سچی محبت اور ان کے لیے جذبۂ خیر خواہی اور ہمدردی دنیا کا انمول خزانہ ہے، لازوال نعمت ہے، بلکہ اللہ کا فضل خاص ہے وہ جسے چاہتا ہے اسی کو عطا فرماتا ہے۔

اور جسے مسلمان بھائیوں سے پر خلوص محبت کی توفیق مل گئی گویا اسے ایثار، خیر خواہی، حسن سلوک اور تعاون علی الخیر وغیرہ بے شمار نیکیوں کی توفیق مل گئی، ساتھ ہی ساتھ بغض، حسد، کینہ، احسان فراموشی وغیرہ گناہوں سے بچنے کی توفیق مل گئی، اور جو اس نعمت سے محروم رہا گویا حقوق العباد سے متعلق بے شمار نیکیوں سے محروم کر دیا گیا، اور گناہوں کا اندیشہ اس پر مستزاد۔

سچی بات یہ ہے کہ زندگی کی ساری لذتیں اور دنیا کی ساری بہاریں اسی محبت سے وابستہ ہیں، دلوں کا سکون، آنکھوں کی ٹھنڈک، ہونٹوں کا تبسم، اور زندگی کی رونقیں اسی محبت کی دین ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ جنتی زندگی میں بھی باہمی محبت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، رب ذو الجلال سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۲۵ - ۲۷ میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۔ بے شک پرہیزگار جنت اور جنتی چشموں میں رہیں گے، ان سے بروز قیامت کہا جائے گا: امن و سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ، اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں سے کینہ نکال دیا، اس لیے وہ سب آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں گے، آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

اللہ رب العزت ہمارے دلوں میں محبت، اخلاص، خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات بیدار فرمائے، اور شیر و شکر بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

میرے استاد ماں باپ بھائی بہن　　اہل ولد و عشیرت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت میں دعوی نہیں　　شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

(اعلی حضرت)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

مشمولات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
(۱)	ارشاد باری	۳
(۲)	شرف انتساب	۴
(۳)	عرض حال	۵
(۴)	خصوصیات نماز	۶
(۵)	سجدے کے فضائل اور خصوصیات	۲۵
(۶)	ماہ ذی الحجہ - فضائل اور خصوصیات	۳۶
(۷)	قرآن کریم اور خدمت خلق	۴۷
(۸)	انبیاے کرام اور تربیت اولاد	۶۰
(۹)	اسلامی رشتۂ اخوت - اہمیت اور تقاضے	۷۶

ہماری عربی، اردو اور تیلگو مطبوعات